سہ ماہی

ایجوکیشنل ٹائمز

ناگپور

15

• زیرِ اہتمام •

انجمن ادبِ ہند ناگپور مہاراشٹر

زائرین [illegible]

...ضرت بابا تاج الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے

...س مبارک کے موقعہ پر

...ج آباد شریف ناگپور میں

مفت دواخانہ

حضرت الحاج میر علی حسین صاحب مرحوم بارود والے

... ڈاکٹر الحاج میر محمد علی صاحب

...رین تاج آباد شریف کو اطلاع دیتے ہوئے مسرت

...کہ ہر سال کی طرح امسال بھی زائرین کرام کی خدمت

...رس شریف کے موقعہ پر مفت طبی سہولیات بہم پہنچانے

...ام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر الحاج ایم اے میر صاحب کے زیر نگرانی مطب

...الحرام سے ۲۹ محرم الحرام تک بیرونی و مقامی زائرین کی خدمت کے لئے کھلا رہیگا۔

...شاکر حسین عباسی بھی اس مطب میں اوقات معینہ میں موجود رہیں گے

...ست عالیجناب راجا بہادر فتح سنگھ راؤ بھونسلے

...یخ ۲۲ محرم الحرام [illegible] بوقت ۱۱ بجے دن

• منتظمین •

[illegible]

جاری شمارہ

سنہ ۱۹۷۵ء

تعلیم ادب تہذیب اور قومی یکجہتی کا ترجمان

سہ ماہی ایجوکیشنل ٹائمز ناگپور

جلد ــــــ ۴

شمارہ ــــــ ۳

مدیر اعلیٰ قادر نیازی
مدیر محمد خضر حیات
ایم اے بی ایڈ
معاون مدیرہ کلثوم ممتاز
سرکولیشن منیجر جمال الدین برق

قیمت فی شمارہ : ایک روپیہ پچاس پیسے

زرِ سالانہ : چھ روپے، ممالک غیر سے : ایک پاؤنڈ

متوسل زر و خط و کتابت سے عابت

سہ ماہی ”ایجوکیشنل ٹائمز“ گانجہ کھیت ناگپور ۱۸
مہاراشٹر پن 440018

زیر اہتمام

انجمن ادب ہند ناگپور مہاراشٹر

SCIATICA

عرق النساء

تिडक्यावात

کا

تیر بہدف علاج

▲ ایک اسراری نسخہ — عطیہ اہل اللہ ▲

● بوقت خواب ٹھنڈے پانی سے صرف ایک گولی کھائی جاتی ہے ●

پرہیز

آلو، بیگن، گوبھی، سبزیوں میں اور
چنا، مسور، اُڑد دالوں میں تو بالکل استعمال نہ کریں
چاول، گڑ اور کھٹے سے قطعی پرہیز کریں

● بفضل ربی شفائے کلی ہو گی ●

■ علاج کے لئے رابطہ قائم کریں۔ ■

● ماہر امراض خفیہ ●

ڈاکٹر ایم اے میر

نیو لائف ڈسپنسری صرافہ بازار تانگا اسٹینڈ چوک، اتواری ناگپور ۲

دواخانہ کے اوقات: روزانہ صبح ۹ سے بارہ بجے تک — اتوار ۹ بجے سے ایک بجے تک
شام ۶ سے نو بجے تک — ۵ بجے سے ۸ بجے تک

Phone 40784.

مشمولات

اداریہ

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

اردو خطرے میں ہے !
اردو زبان کی بقا و ترقی مشکوک ہے !
اردو تہذیب و تمدن دشمنوں کے نرغے میں اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہے !

یہ اور نہ جانے اس طرح کی کتنی ہی باتیں ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں، خود دہراتے ہیں اور اردو زبان کے حامی و مددگار بننے کے لئے کچھ زیادہ ہی نمک مرچ لگا کر اردو کے تاریک مستقبل کی نشاندہی کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہی ہے ! کیا اردو کے دن اس دیس میں گنے جا چکے ہیں ؟ کیا اردو اب کسی بھی حیثیت سے اس سرزمین پر زندہ رہنے کا حق کھو چکی ہے ؟ اگر ایسا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ایسا ہے، اردو بولنے والوں، اردو سمجھنے والوں کا حلقہ دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے ـــــ تو کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ ایسا کیوں ہے ؟

اردو کے دشمن !! تو پھر کیوں نہ ہم اردو کے دشمنوں کی نشاندہی کریں !

آپ ایک مشاعرہ کراتے ہیں، نامی گرامی شعراء کو بھاری بھرکم فیس دیکر بلواتے ہیں، اردو کے نام پر چندے کرتے ہیں اور شعرائے گرامی قدر جس " اردو تہذیب " کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ شراب و کباب میں مست ہو کر وہ جس " اردو تمدن " کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، ذرا ذرا سی تکلیف اور بشری بھول چوک پر روٹھ کر وہ جس " اردو شائستگی " کی نمائش کرتے ہیں اس کے بعد وہ لوگ جو اردو سے محبت کرتے تھے اردو سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ـــــ جو زبان نشہ میں دھت ہو کر اسٹیج پر قے کرنا سکھاتی ہے، وہ قابلِ نفرت نہ ہوگی تو کیسی ہوگی !

کہیں آپ اردو کے دشمن تو نہیں ہیں ؟

اور یہ اردو مشاعروں کے منتظمین جو " حامیانِ اردو " و " ہمدردانِ اردو " کی فہرست میں اپنا نام سب سے اوپر لکھوانا چاہتے ہیں ـــــ چندہ جمع کر کے شاعروں کو پوری فیس نہ دینا، سامعین کی تکلیف و آرام کا ذرہ برابر بھی خیال نہ کرنا، غلط ناموں کا اعلان کر کے پیسہ بٹورنا،

وعدہ خلافی، مکروفریب اور ریا کاری و نمائش کو جائز سمجھنا ——— جس زبان کے ہمدرد و حامی ایسے ہوں اس سے بھلا کسے محبت ہو سکتی ہے ؟

کہیں آپ اردو کے دشمن تو نہیں ؟

یہ اردو کے ہمدرد بننے والے، اردو کی روٹی کھانے والے، اردو کے ذریعے جینے والے ناشرین، کاتبین اور مالکان پریس، جو وعدہ خلافی کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں، دھوکہ دہی کو عین ایمان تصور کرتے ہیں۔ جو اردو کے فروغ کی راہ میں روڑے اٹکانا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ جو خود تو اردو کی وجہ سے زندگی کا سامان فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن اگر کہیں تعمیری انداز میں اردو کا کام ہو رہا ہو تو اس کے خلاف متحدہ محاذ بنانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جو ہر تخریبی کام میں تن من دھن سے ساتھ دینا ضروری سمجھتے ہیں ——— کیا انہیں دیکھ کر کوئی اردو زبان سے محبت کرے گا ؟

کہیں آپ اردو کے دشمن تو نہیں ؟

یہ اردو زبان کے مدرسین و معلمین جو محض اردو کی وجہ سے برسر روزگار کہلائے جا رہے ہیں، وہ اپنی جماعتوں میں کتنی محنت کرتے ہیں ؟ بچوں کو کس طرح اردو سکھاتے ہیں ——— کون سی اردو تہذیب وہ بچوں کو سکھاتے ہیں ——— جب اردو زبان کے اساتذہ خود کلاس روم میں گالی گلوچ کریں، آپس میں ہاتھا پائی کریں۔ اسکول میں تہذیب جدید کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونا ضروری خیال کریں بلکہ طلبہ کے ساتھ اور طلبہ کے ذریعے ——— تب وہ کس اردو کی آبیاری کرتے ہیں ! طالب علم مڈل اسکول اور یہاں تک کہ ہائی اسکول سے نکلنے کے بعد بھی جب اردو زبان صحیح لکھنا پڑھنا اور بولنا نہ سیکھ سکے تو یہ کس کا قصور ہے ؟ زبان کا ؟ طالب علم کا ؟ یا خود آپ کا ؟

کہیں آپ اردو کے دشمن تو نہیں ؟

یہ اردو زبان کے بولنے والے سمجھنے والے لاکھوں کروڑوں قارئین، سامعین اور حامیان اردو جو اردو رسائل خرید کر پڑھنا بڑا بھاری جرم تصور کرتے ہیں، جو اردو کتابوں پر پیسہ صرف کرنا اسراف بیجا خیال کرتے ہیں، جو اردو اخبارات خریدنے کو بیوقوفی تصور کرتے ہیں، جو اپنے بچوں کو اردو اسکول میں تعلیم دلوانا حماقت گردانتے ہیں ——— تو پھر کیا غیر اردو داں اردو اسکولوں میں اپنے بچوں کو بھیجیں گے ؟ کیا اردو نہ جاننے والے اردو اخبارات، رسائل و کتب خریدیں گے ؟

کہیں آپ اردو کے دشمن تو نہیں ؟

اردو کے زوال کا رونا رونے سے پہلے، اردو کے دشمنوں کی دہائی دینے سے پہلے، اردو کیلئے حکومت سے ... سے پہلے ہمیں خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ ہم خود اردو کیلئے کیا کر رہے ...

چندر بھان خیال

623/ بھائی پرمانند کالونی نئی دہلی-9

انتظارِ بہار

بدن جھلاتے ہوئے بے لباس تنہائی
کسی گپھا کے دہانے پہ خود کو لے آئی
پسینہ کون سکھائے اب ان درختوں کا
ہوا بھی ہانپ رہی ہے علیل کتیا سی

نگاہیں خشک، پہاڑوں کی روح بھی پیاسی
جھلس رہے ہیں گھروں میں تمام بن باسی
ہر ایک راہ ترستی ہے راہگیروں کو
ندی کا پل ہے شکستہ مزار کی صورت

جھپٹ جھپٹ کے شعاعیں شرار کی صورت
زمیں پہ زہر اگلتی ہیں مار کی صورت
زمانہ شام کے سایوں کا منتظر لیکن
یہاں تو شام سے پہلے ہی جل بجھیں گے شجر

سیاہ فام جوانی چٹان سی گھر گھر
پگھلتی جائے یہاں سخت تشنگی پا کر
سکوت سانپ کی صورت سوار ہے ہر سو
بجھے بجھے ہیں امنگوں کے آشیانے سب

خزاں خزیں ہیں گل و برگ کے ٹھکانے سب
ہوئے ہیں بند بہاروں کے کارخانے سب
فضا میں گونج رہا ہے دبنگ سناٹا
اب اس کے بعد یقیناً بہار آئے گی

سوہن راہی

ادارۂ ادب لندن

دو نظمیں

(۱) نظر کی دسترس

پھر نظر کی دسترس میں چند افسانوں کے پھول
ہمکلام زندگی
پھر قلم کی خونچکاں، تشنہ، نکیلی، تیکھی نوک
جنبش احساس کی سرخی میں ڈوبی اس طرح
جس طرح کہ صبح کی پہلی کرن
ظلمت ارضی کے اک کہنہ کفن کو چیر کر
مطلعِ انوار پر
سحر بیداری کی تحریروں کو
آویزاں کرے

تمہارے نام (۲)

دیارِ شب سے گذر کر تری نظر کا فسوں
فلک کے طور پہ تھم تھم کے رقص فرمائے
صبائے زلف سے مہکیں فضا کی تنویریں
گلوں کے جام میں تیرے ہی عکس لہرائے

کلی کلی پہ ہے نذر و نیاز کی بارش
ہر ایک ڈال کی کروٹ ہے تیری انگڑائی
ہر ایک پات کے سینے پہ تیری قوس بدن
نئی حیات سے روشن ہے سینۂ انگنائی

تمہارے یقین کی حسین صورت مجسم ہو
قدم قدم پہ نئے پھول ہم کلام ہوئے
قدم قدم پہ نئے شاخسار جی اٹھے
کہ دل کے طاق میں روشن تمہارے نام ہوئے

تابش حلیمی

ناگپور۔

٥ رباعیات ٥

اس سے جو کہو بدیس اب ہے جانا
کھاتی نہیں اس فکر سے پہروں کھانا
پوچھو کہ تجھے چاہیئے تحفہ کیسا
کہتی ہے مری یاد ہی لیتے آنا

پہنا ہی نہیں اس نے پسندیدہ وہ ہار
سمجھے ہوئے تھی حسن کی جس کو وہ بہار
ازراہِ مذاق کہہ دیا تھا اک روز
ہے حسن خداداد پہ گہنا بیکار

ہنستے ہوئے آ بیٹھتی ہے میرے پاس
دیتی ہے مزہ اور ہی لہجے کی مٹھاس
ہر رخ سے مجھے دیکھ کے خوش ہوتی ہے
جب اس کی پسند کا پہنتا ہوں لباس

ہے لحن گلو سوز بھی دلکش اک بین
تحسین کے لائق ہے سُروں کی تزئین
ہوتی ہے جو نغمہ پیرا مدھم لے میں
گاتے ہوئے رک جاتی ہے سنگر کی مشین

۵ آمد کی خبر ہے سازِ دل پر مضراب
تحریر مری پڑھ کے ہے کیسی بیتاب
اس طرح وہ کر رہی ہے رہ رہ کر پیار
خط چومتا پھرتا ہے عارض کے گلاب

۶ ہر صبح اٹھے اور اندھیرے سے نہائے
بھیگے ہوئے بالوں کو کچھ دیر سکھائے
باندھے ہوئے جوڑے کا تعویذ پھرے
اس ڈر سے کہ آسیب نہ کوئی لگ جائے

۷ کتنی ہی کیوں نہ ہو مصروف مگر
وہ دیکھ ہی لیتی ہے مجھے جی بھر کر
میلی سی نظر آتی ہے جب بھی تصویر
کر دیتی ہے صاف آنچل سے گردِ نظر

۸ کرتا ہوں کبھی جو تلخ لہجے میں خطاب
ہو جاتی ہے جذبات سے مغلوب شتاب
سینے سے نہ جب تک میں لگاؤں اسکو
رکتا ہی نہیں گرم اشکوں کا سیلاب

۹ ساجن کے غصے کو دیتا ہے ہوا،
خوش ہے کہ ہوا ہے آج نقصان سوا،
گوری نے جلا دی جو روٹی سرِ شام
چولھے پہ کھڑا کیا ہنستا ہے توا

۱۰ جگ بیتے پر کٹی جو برہا کی رین
منوا ہے گوری کا کیسا بے چین
پریتم کی آرتی کو ہے دوار کھڑی
اشکوں کے دیئے لئے ہیں کجرارے نین

◆

قادر نیازی

نقش بر روئے آب

میرا دماغ ماؤف ہو چکا ہے، میں اس وقت کچھ سوچ بھی نہیں سکتا ہوں مگر میرے دماغ کی کچھ کھڑکیاں اب تک کھلی ہوئی ہیں۔ سرد اور گرم ہوا کے جھونکے کھڑکیوں سے داخل ہو کر مجھ کو چونکا دیتے ہیں۔ مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی ہے۔ اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں صرف اب چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔ شاید میں اس دنیا کو چند گھنٹوں کے بعد خیر باد کہہ دوں گا۔ اور وہ چند کھلی ہوئی کھڑکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا خیال آ رہا ہے کہ میں نے انہیں کہاں تک پورا کیا ہے۔۔۔۔ ذمہ داریوں کے سائے —— طویل سائے —— خاموش و ساکت بے حرکت و بے جان —— میں ان تمام کے سامنے دست بستہ ہو کر معافی طلب کر رہا ہوں کہ میں نے وہ نہیں کیا —— یا میں وہ نہیں کر سکا —— یا مجھے "اتنی فرصت" نہیں مل سکی کہ میں ان تمام ذمہ داریوں کو انجام دے پاتا۔ کچھ زندگی کے ایام "تگ و دو" میں کٹ گئے —— کچھ ایام مایوسیوں اور پریشانی کی نذر ہو گئے —— اور کچھ زندگی کی گھڑیاں "اسرارِ صنم" کے لئے وقف ہو گئیں اور چند لمحات —— ایسے ہی کٹ گئے کہ ہم ان کا کچھ بھی جائزہ نہیں لے سکے —— اب صرف زندگی کے چند حقائق باقی رہ گئے ہیں ان سے لڑنا ہے۔ ان سے جنگ کرنا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں "شکست" بہت کم ہوئی ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے ماحول کو "برسرِ پیکار" ہونے کی دعوت دی ہے۔ میں نے اُن سے مسلسل جنگ کی ہے۔ اور فتح یابی حاصل کی ہے —— یہ بڑے تلخ حقائق ہیں..... زہریلے حقائق —— میری زبان پر کانٹے آ رہے ہیں —— اور میرے حلق میں کف منجمد ہو رہا ہے۔ میری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں —— میرے سر کے بال بکھر گئے ہیں —— میری پیشانی پر ہلکے ہلکے پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے ہیں —— میرے رخسار گرم ہو رہے ہیں —— دورانِ خون کی رفتار تیز ہو گئی ہے —— اور میں سوچ بھی نہیں سکتا ہوں —— کہ یہ کیفیت کیا ہے؟۔۔۔۔ اور میں اس "کیفیت" کا نام کیا دوں۔ یہ سوزِ ناتمام —— ایک انمٹ نقش —— ایک مسلسل بے قراری —— ایک کبھی نہ ختم ہونے والی خلش —— آہ!

ھ کتنی تسکین ہے وابستہ ترے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

میں خاموش ہوں ـــ مسلسل خاموش ـــ میرے کمرے میں خاموشی محوِ خواب ہے ـــ کتنی گداز اور نیم عریاں نیند ـــ سنگِ مرمر کے بازو ـــ صندلی پیشانی ـــ اور گلاب کی پنکھڑیوں کے ہونٹ ـ نصف شب کی ٹوٹی ہوئی زلفیں ـــ اور تھکے تھکے سینے کے زیر و بم ـــ گرم گرم سانسیں ـــ آنکھوں میں خمار اور دراز سیاہ پلکیں ـــ جوانی ـــ محوِ خواب ہے ـ میں خاموش ہوں ـــ مسلسل خاموش ـــ کوئی نیند سے بیدار ہو رہا ہے ـــ طویل رات کی زلفیں بکھری ہوئی ہیں ـ سارا کمرہ معطر ہے، ہوش ڈگمگا رہے ہیں ـ اتنی رات گئے کون آرہا ہے ـ

" بوتلیں پھینک دو کھڑکی سے مگر آہستہ "

میں آج کچھ زیادہ بہک چکا ہوں ـ ہمدم ـ کیوں ـ سچ ہے نا ـــ خاموشی کھِل کھِلا پڑتی ہے اور میں اپنی بوجھل آنکھوں سے اسے گھورنے لگتا ہوں ـــ مجھے سنبھالنے کی کوشش نہ کرو ـــ مجھے گر جانے دو ـ مجھے نہ سنبھالو ـــ " اپنے سینے پہ ہی پڑا اکثر ـــ تیر جو اضطراب نے مارا " ـــ یہ اندوہِ غم ـــ یہ رنج و الم کی مسلسل کہانی ـــ کچھ اور تھوڑی سی یہ ہوش بھی باقی نہ رہے ـــ " مجھے بھول جانے دو " اب پچھلی تمام شبنمی راتوں کو ـــ سرد اور تنہا راتوں میں کپکپاتے ہوئے چاند کی پیشانی سے برستے ہوئے نور کی کرنوں کو ـــ اب میرے پاس ـــ اب میرے پاس ـــ اے میرے ہمدم کچھ بھی نہیں باقی رہا ـ سب کچھ ان جاندار راتوں میں کسی نے مجھے لوٹ لیا ـ میرے پاس جو کچھ بھی میرا " سرمایۂ حیات " تھا ـــ وہ سب کچھ لٹ گیا ـــ اب صرف میرے پاس میرا " دست و گریباں " ہی سلامت رہ گیا ہے ـ خاموشی کا ایک طویل سایہ مجھ پہ کھِل کھِلا کر ہنس پڑا ـ میری خوابگاہ میں کوئی نہیں ـــ میں کچھ بیمار سا ہو گیا ہوں ـ ہاتھوں میں جنبش باقی نہیں رہ گئی ہے ـــ مگر ان آنکھوں میں کچھ کچھ " دم " تو ابھی باقی ہے ـــ آؤ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا گریباں پھاڑ ڈالیں ـــ میرے چارہ ساز ـــ مایوس ہو کر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں ـــ میں جاگ رہا ہوں ـــ نیند کی دیوی میری خوابگاہ میں میری منتظر ہے، آ بھی جاؤ ـــ میری نرم گداز بانہوں میں ـــ ...... ایک طویل اور میٹھی نیند ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ـ اور مجھ پر کسی حد تک نیم بے ہوشی طاری ہو چکی ہے ـــ میری پیشانی پر شبنمی قطرے چمک رہے ہیں ـــ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں ـــ چہرے پر ایک عجیب وحشت نمودار ہے ـــ میرے ارد گرد کا ماحول بڑا مایوس کن ہے ـ ان تمام حالات کے باوجود بھی ـــ میرا دل بڑا تندرست ہے ـــ میرا دماغ صحیح ہے ـــ کبھی کبھی پچھلی رات کے لمحوں میں میرے دل و دماغ میں کافی بحث و مباحثہ چھڑ جاتا ہے ـ ایک لامتناہی سلسلہ ـــ ہر ایک اپنی عظمت و حکمت کے دلائل پیش کرتا ہے ـ کبھی کبھی

عبدالرحیم نشتر

کاوش

چھوٹی سی راحت

پتہ نہیں کیا ہوا؟

دونوں بچے آپس میں گتھ گئے۔ پہلے تو میز کی شامت آئی، میز کا الٹنا تھا کہ شیشے کا تاج محل چکنا چور ہو گیا۔ پھر اس پر کرسی آ گری۔ اور کرسی کے ساتھ ساتھ پپو بھی، کرسی تو خیر پیروں کو اوپر کئے ہوئے ایک طرف لڑھک کر دبک گئی مگر پپو کے پیر تو فرش پر ہی ٹکے تھے۔ اور فرش پر بکھرے ہوئے تھے شکستہ تاج کے ریزے ... محبت کی لافانی یادگار اپنی تذلیل کیسے برداشت کر سکتی تھی؟ ایک ریزہ ایڑی میں اتر ہی تو گیا اور پھر سے نکلی خون کی ایک تیز دھار۔ گاڑھا گاڑھا سا ___ لال لال خون ___! فوارے کی طرح اچھل کر پہلے تو پپو کے سفید پاجامے کو رنگ گیا اور پھر فرش پر ٹیڑھی میڑھی شکلیں بنانے لگا۔ ہتو نے جو یہ تماشا دیکھا تو بھونچکا ہی رہ گیا۔ اسے ایکدم ہراساں دیکھ کر جیسے پپو کو بہتے ہوئے خون اور زخم کی تکلیف کا احساس ہو گیا اور پھر تو اس نے وہ دھواں دھار آواز نکالی ہے کہ پاس پڑوس کی عورتیں گھبرا کر نکل آئیں۔ کمرے میں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ اختتام جنگ کے بعد میدان کارزار لاشوں اور زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ امی سر پیٹتے ہوئے لپکیں۔ پپو کے پیر سے ابلتا ہوا خون اور ہتو کو سہما ہوا دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگیں۔

نسیمہ اپنی کتابوں میں الجھی ہوئی دیر سے شور و غل سن رہی تھی، مگر اسے پتہ تھا کہ اس کی دخل اندازی سے کچھ نہ ہوگا۔ اگر وہ بچوں کو منع بھی کرے تو امی الٹے اسے ہی ڈانٹ دیں گی۔

"آخر بچے ہیں، کھیلیں گے نہیں، شرارت نہیں کریں گے تو کیا کریں گے۔ اپنے دن بھول گئی؟ دو دن سے چار ہاتھ کی کیا ہو گئی سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنے لگی ہے ___" پھر اسی پر بس کہاں تھا۔ امی تو ایکبار ... ہوتی ہیں تو ایل پی ریکارڈ کی طرح آدھا ایک گھنٹہ رکتی ہی نہیں ___ ہٹاؤ، کون بھاگڑ کرے، خود ہی تھک ...

نسیمہ بیٹھی ... رہتی مگر جب ہنگامہ ... ہی کھڑا ہو گیا تو اسے باہر آنا ہی پڑا۔ خالہ، نانی، چچی، تائی، بوا، فیروزہ، زینب، امداد، خدیجہ، آسیہ ... اور ڈھیر سارے ننھے بچوں سے کمرہ بھرا ہوا تھا، اور امی پپو کو گود میں لئے حسب عادت بڑبڑائے جا رہی تھیں۔ ہتو مجرم کی طرح چپ اور سہما ہوا کھڑا تھا۔

"یہ لونڈے بھی شیطان ، روزانہ کچھ نہ کچھ اودھم مچائے رہتے ہیں" نسیمہ اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔ اس کا بس چلتا تو ایک دن میں سب کو سیدھا کر دیتی۔ مگر اتی کے بے جا لاڈ پیار سے بچے اسے بھی خاطر میں نہیں لاتے، اگر ذرا زیادہ ہی "باجی پن" دکھاتی تو امی کی نمک مرچ سے رچی ہوئی بولیاں اس کے تن بدن میں آگ لگا دیتیں اور وہ خود ہی رو پڑتی۔ "چولہے میں جائیں سالے" وہ سر جھٹکتی اور اپنی کتابوں میں ڈوب جاتی۔ مگر ایک دن کی بات ہو تو کوئی صبر بھی کرے، یہاں تو روز کا ہی ناٹک ہے۔ اب دیکھو کر شیشے کا اتنا خوبصورت تاج محل کرچیں کرچیں ہو کر پڑا ہے، کتنا عزیز تھا اسے؟ کیا کیا جتن سے سنبھال رکھا تھا۔ ابھی مہینہ تو ہوا کہ ابا جی آگرے سے لیکر آئے تھے۔ گیارہ تو ادھر ادھر بانٹنے میں چلے گئے یہ ایک ہی تاج تو کسی طرح بچا سکی تھی۔ وہ اسے بھی شیطانوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ پپّو کی تکلیف اور اس کے رونے چلانے سے زیادہ اسے اپنے تاج کے ٹوٹ جانے کا دکھ تھا۔ ادھر پڑوسیوں کی مدد سے امی نے کسی طرح زخم صاف کر کے مرہم پٹی کر دی تھی۔ مگر پپّو کی ہچکیاں اب بھی وقفے وقفے سے ابھر رہی تھیں۔ ببّو نے ڈر کے مارے بغیر کھائے پیئے بستر میں پناہ ڈھونڈ لی تھی۔

اتنا کچھ ہوا، مگر بہو اپنی جگہ سے ہلی نہیں اور ہلتی بھی کیسے؟ اتنے سارے تو کام پڑے ہیں اس کے پیچھے، دس جانوں کا پکانا، پروسنا پھر برتن دھونا، جھاڑ کر نکالنا۔ سب چیزیں قرینے سے لگانا۔ مر مر کے تو وہ کرتی، دس گیارہ بجتے تب کہیں جا کر پنڈ چھوٹتا، ذرا بھی وہ ہاتھ پیر بھی سیدھے نہیں کر پاتی کہ اس کا میاں جان آ جاتا۔ اس کا جی نہ بھی چاہتا، مگر کیا کرتی، وہ تو جونک کی طرح چپک جاتا۔ ایک ایک انچ کے بوسے، کبھی ساری کھینچ تو کبھی بلاؤز۔ کہاں تک برداشت کرتی۔ جب رگ رگ میں آگ دوڑنے لگے تو شراکت کرنی ہی پڑتی ہے۔ اب پھر منہ اندھیرے اٹھو، پانی گرم کرو، نہاؤ اور پھر ناشتہ کرو، ناشتے کے بعد بھی ڈھیرے ڈھیرے کتنے کام نکل آتے۔ کام کرتے کرتے وہ گھبرا جاتی۔ دو ڈھائی بجے تھوڑی راحت ملتی۔ چار بجتے بجتے پھر اسی جہنم میں جھکنا پڑتا۔ پھر وہی چکر۔ مرتے جاؤ —— جیتے جاؤ —— فرار بھی کیسے ممکن ہے؟ وہ احتجاج بھی نہیں کر سکتی۔ اور کرے بھی کیسے۔ اس کا میاں کوئی سروس کرے تو اس کی باتوں میں کوئی دم بھی ہو اور بولنے کا حوصلہ بھی، مگر وہ تو کچھ کرتا ہی نہیں۔ پتہ نہیں ایم اے تک کیوں پڑھ رکھا ہے۔ وہ کتنا کہتی ——

"اجی کچھ تو کرو"

وہ بس ہامی بھر کر رہ جاتا۔

"ہاں کوشش میں ہوں"

"یہاں درخواست دی ہے"

"وہاں لکھا ہے"

"دوستوں سے بھی کہہ رکھا ہے، مگر آج کل سروس کہاں ملتی ہے؟"

بعا تیں تو شیڈول کاسٹ کے لئے ہیں۔ ہماری پکار کون سنتا ہے “

اس طرح کے جملے سن کر اس کی جان جل جاتی۔ مگر وہ تھا کہ اسے بہلا لیتا۔ ایسا ٹوٹ کر پیار کرتا، پیار سے اتنا دِتنا ستا تا کہ وہ نہال ہوجاتی اور پھر ساری شکایتیں، ساری تکلیفیں بھول جاتی۔ رات مستی میں گزر جاتی اور صبح ہوتے ہی گھر کی بھول بھلیاں اسے گم کر دیتیں۔

” اتنا کچھ ہوگیا مگر میم صاحب سے اٹھنا ہوا نہیں “

ساس کا تیز تیکھا جملہ اس کے کانوں میں پڑا اور وہ ہڑبڑا کر بچھونے سے چولہا پھونکنے لگی۔

” ارے اب کیوں لکڑیاں ناس کر رہی ہے؟ سب کچھ تو پک چکا “ ساس نے پھر کچوکا لگایا اور اس نے پھونکنی چھوڑ جھاڑو سنبھال لی اور جلدی جلدی کھانے کی تیاری کرنے لگی، کھانے پر سب ہی چپ رہتے، امّی کی خطرناک بولیوں کے سامنے کون منہ کھول سکتا بھلا، — ؟ کبھی امّی کا موڈ ٹھیک رہا تو وہ خود ہی ہنسی کی کوئی بات چھیڑ دیتیں۔ پھر بچے اپنی منچلی حرکتیں شروع کر دیتے۔ بہو کو یہ سب ناگوار بھی گزرتا اور اچھا بھی لگتا۔ کبھی کبھی تو جب گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا اور دن بھر امن چین بنا رہتا تو اسے لگتا جیسے وہ آج گھر میں نہیں کسی ویرانے میں آگئی ہے۔

اس کی شادی کو ابھی نو دس مہینے ہوئے تھے، مگر اتنے ہی دنوں میں وہ گھر کی فضا کا ایک حصہ ہوگئی تھی۔ ماحول اسے راس آگیا تھا۔ چھوٹا سا گھر — چھوٹی سی راحت — ! لڑائی جھگڑا — بک بک، جھک جھک — چھینا جھپٹی، مار پیٹ — طعنے، گالیاں، ڈانٹ ڈپٹ،

— جب کبھی وہ مائیکے جاتی، دو چار دن میں ہی اوب جاتی اور اسے اپنا گھر یاد آنے لگتا جہاں ستانے والے ننھے دیور ہیں، اٹھتے بیٹھتے نکتہ چینی کرنے والی ساس ہے۔ تیز تیکھی بولیوں والی نند ہے۔ کچھ نہ کہنے والے سسر ہیں اور وہ ہے جو بری طرح اس سے چمٹ جاتا۔ جسے وہ بے نقط بھی سنا سکتی ہے، ستاتی ہے، تڑپاتی ہے، بے وقوف بناتی ہے اور جو پھر بھی اسے چاہتا ہے۔ خوشامدیں کرتا ہے، منتیں کرتا ہے اور کبھی کبھی روٹھ بھی جاتا ہے۔

ایک ڈیڑھ مہینہ ہوگیا تھا، وہ کوئی فلم نہیں دیکھ سکی۔ سسرال میں تو اس کا تصور بھی محال تھا۔ ہاں وہ، مائیکے چلی جائے تو دو چار فلمیں دیکھ سکے گی۔ پھر اچانک اسے کچھ یاد آگیا اور وہ آپ ہی آپ شرما گئی، مسکراتے ہوئے سفید پھولوں کی لو چھار سے سارا آنگن بھر گیا۔

” اللہ بھابی! پاگل ہو گئے کیا؟ “

نسیمہ اسے یوں مسکراتے دیکھ چلا پڑی۔

” کیا ہوا امّی، کیوں کلا کر رہی ہے؟ “

امّی نے سامنے کی چھپری سے آواز دی، بہو دھواس ہو کر بالٹی لینے لگی، مگر عجلت میں ساڑی پیروں میں آگئی اور وہ اٹا دھم سیڑھی پر — ! سارے میں پانی پھیل گیا۔ طشتری الگ پھوٹ گئی۔ اب خیر نہیں — بہو نے سوچا

اور جلدی سے ٹوٹی ہوئی طشتری کے ٹکڑے سمیٹ لینے چاہے مگر اس سے اٹھا نہ گیا۔ شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہلکے ہلکے کراہنے لگی۔ نسیمہ کی نٹ کھٹ ہنسی کی مسلسل بوچھار سے سارا کمرہ بھیگ گیا۔ امی بھی سر اٹھائے ہوگئیں۔ بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے کچن میں قدم رکھا۔

"ہزار بار کہا ہے بہو! ذرا دیکھ سنبھل کر چیزیں اٹھایا کرو، مگر چکنے گھڑے پر کہیں پانی رکتا ہے؟ ہر کام میں ہڑبڑ ——— ہر کام الٹا سلٹا۔" وہ ابھی اور بہت کچھ کسیلا کسیلا بولتیں، مگر زمین پر کراہتی پڑی ہوئی بہو کی اُتری ہوئی صورت نے پتہ نہیں ان سے کیا کہہ دیا کہ وہ جھٹ سے لپکیں اور آہستگی سے بہو کے سر کو اپنے زانو پر رکھ کر اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

نسیمہ ابھی تک چہلیں کئے جا رہی تھی کہ امی نے پھٹکارا۔

"اری صورت ماری ——— ! کھڑی کھڑی دانت کیا نکالتی ہے؟ جھاڑو لگا اور یہ پانی صاف کر۔"

امی کا غصہ بڑا خراب ہوتا ہے، نسیمہ بچپن سے جانتی تھی۔ پرانی جوتیوں کے نشان پیٹھ پر شاید اب بھی کہیں ہوں۔ اسے ہلکی سی تھرتھری چھوٹ گئی اور اپنی بے باک ہنسی کو بھول کر وہ کاموں میں جٹ گئی۔

"ارے او لاٹ صاحب" امی زور سے چلائیں "قلم ہی چلاتا رہے گا ادھر، کچھ کرنا دھرنا ہے، گھر میں اس کا بھی کچھ ہوش ہے؟" تو امجد دوڑا ہوا کچن میں چلا آیا۔ اپنی بیوی کو ماں کی گود میں پڑا ہوا دیکھ کر وہ تھوڑا سا گڑبڑا گیا۔

"کیا ہوا امی؟"

"ہونا کیا ہے رے! بے بس ہونے کی پڑ گئی۔ رات بھر کیا پہاڑ کھودتا ہے؟"

امجد تھوڑا سا جھینپ گیا اور اس کی بیوی شرما گئی۔ امی نے ٹھوکا مارا "چل جلدی سے رکشہ لے آ۔ بہو کو ڈاکٹر کے یہاں لے جانا ہے۔"

وہ دوڑا دوڑا گیا اور رکشہ لے آیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے بہو کو دیکھا تو امی پر بہت ناراض ہوئی "اتنی دیر کر دی ——— ایسی لاپرواہی ——— اب تو آپریشن ہی کرنا پڑے گا۔" امی گھبرا گئیں۔

"اللہ اب کیا کروں۔ بہو تو مری جاتی ہے۔"

مگر امجد آپریشن کے لئے راضی نہ تھا۔ "ارے تو مانی لے، جلدی میں کیا کرے گا؛ پہلے سے کچھ سوچا نہیں ———؟"

پھر وہ اپنے آپ کو ہی کوسنے لگیں کہ انہوں نے خود کیوں توجہ نہیں دی۔ دونوں تو نا سمجھ ہیں۔

بہو بے حال پڑی تھی اور امجد سہما سہما امی کی اطاعت گزاری کئے جا رہا تھا۔ امی کی تیز تیکھی زبان کچھ رسیلی ہو گئی تھی لیکن بہو کو ایسا لگا جیسے ان کے کڑوے لفظوں میں ڈھیر ساری مٹھاس بھر گئی ہو۔ وہ اطمینان سے پڑی رہی ——— مسکراتی ہوئی ——— ایک نئی زندگی کی مٹھاس اور شگفتگی لئے ہوئے ——— !

حضرت عبدالقدوس ناطق

سپرنٹنٹ، ایوت محل

نطق ناطق

(۱)

چشم قاتل بھی ہو قاتل یہ ضروری تو نہیں
حسن ہو جور پہ مائل یہ ضروری تو نہیں

ساز ہستی پہ ہے مضراب تجلی رقصاں
طور ہی ہو تری محفل یہ ضروری تو نہیں

کیف افزا ہے دم عہد وفا کی امید
غم کی کلفت نہ ہو شامل یہ ضروری تو نہیں

فائدے ترک محبت میں ہیں ناصح لیکن
زیست کا کیف ہو حاصل یہ ضروری تو نہیں

کامل انسان تو ہوتا ہے وفا کا پیکر
شیخ انسان ہو کامل یہ ضروری تو نہیں

عشق آسان بنا دیتا ہے ہر مشکل کو
اپنی آسان ہو مشکل یہ ضروری تو نہیں

جس کی قسمت میں ہوں طوفاں کے تھپیڑے ناطق
اس کی آنکھوں میں ہو ساحل یہ ضروری تو نہیں

(۲)

ہموار نگاہوں کی ادا میرے لئے ہے پرکیف محبت میں فضا میرے لئے ہے
وہ عشق جو احسانِ وفا میرے لئے ہے غیروں کے مقدر میں نہ تھا میرے لئے ہے
دل میرا نگہبان بتا میرے لئے ہے نادان مصیبت میں پڑا میرے لئے ہے
جانبازِ محبت ہوں، مری زیست نہ پوچھو تلوار کے سائے میں بتا میرے لئے ہے
توہینِ مقدر تھی اگر جرم نہ کرتا کیوں حشر کا ہنگامہ بپا میرے لئے ہے
پہلے تھی مرے دل پہ نگاہوں کی نوازش اب شانِ محبت کی ادا میرے لئے ہے
اسبابِ فنا جس کو سمجھتا ہے زمانہ مقتل میں وہ سامان بنا میرے لئے ہے
توہینِ وفا ترکِ محبت کے ہیں شکوے جب دیکھئے الزام دھرا میرے لئے ہے
واعظ کو بہت فخر ہے اعمال پہ اپنے میکش کو ہے ناز اس پہ خدا میرے لئے ہے
صانع کا پتہ دیتی ہے ہر چیز جہاں کی ہر چیز بنی قبلہ نما میرے لئے ہے

افتادِ طبیعت کا کرشمہ ہے یہ ناطق
اوروں کو جو اچھا تھا برا میرے لئے ہے

مرزا ظفر ناگپوری
جانشین ناطق گلاؤٹھوی

مورخہ ۱۴ فروری ۶۳ء

غزل

محبت میں میری لٹایا ہے سب کچھ
مگر ہم نے رکھی نہ فکرِ طلب کچھ

دلاتی ہے انساں کو تقدیر سب کچھ
مگر چاہیئے طرزِ حسنِ طلب کچھ

سبھی کچھ سنا تو چکے آپ ہم کو
ہماری بھی سن لیجئے عرض اب کچھ

وہ پہلے بھی آفت تھے اب بھی بلا ہیں
لڑکپن بھی سب کچھ جوانی بھی سب کچھ

ہم ان سے نگاہِ کرم چاہتے ہیں
ہمارے لئے بس یہی اک ہے سب کچھ

یہ اللہ والوں کی عادت مبارک
نہیں کرتے بندوں سے ہم تو طلب کچھ

کھٹکتا ہے ماتھا خدا جانے کیا ہو
دلوں کی نہیں دھڑکنیں بے سبب کچھ

مسرت کبھی تھی تو اب زورِ غم ہے
یہی تم تھے جب کچھ وہی ہم ہیں اب کچھ

تماشائی ناز و انداز سب ہیں
کسی نے نہ سمجھے مگر ان کے ڈھب کچھ

تکلف کچھ اس بات میں آچلا ہے
مرے نام سے وہ جھجکتے ہیں اب کچھ

وہی زندگی ہم پہ ہم اس پہ بھاری
رہا اپنے جینے کا عالم عجب کچھ

معمہ ہے یعنی بتوں کی بھی ہستی
نہ مانو تو پتھر جو مانو تو سب کچھ

تمہاری شکایت یہ کیا کہہ رہے ہو
سنا تم نے کس سے کہا ہم نے کب کچھ

نہ طرزِ حیا ہے نہ رسمِ ادب ہے
ظفر اب نرالا ہے رنگِ طرب کچھ

o

عروج زیدی

مکان: کنٹے کوٹھیاں، رامپور

آئینے سے عکس کا رشتہ بنایا جائے گا
میری نظروں کے مقابل کس کو لایا جائے گا

مرتبہ ذوقِ سفر کا یوں بڑھایا جائے گا
کہکشاں کو میرے قدموں میں بچھایا جائے گا

رنگ و رخ سے کربِ پنہاں کا خصوصی ربط ہے
کس طرح غم کو تبسم میں چھپایا جائے گا

ہم بصارت اور بصیرت سے بھی کوئی کام لیں
ہر چراغِ راہ یہ کہہ کر بجھایا جائے گا

آپ کی نسبت سے مجھ کو جان سے بڑھ کر عزیز
یوں سمجھئے غم کو خونِ دل پلایا جائے گا

آب و تابِ قطرۂ شبنم مسلّم ہی سہی
قطرۂ شبنم کو کیا موتی بنایا جائے گا

رفتہ رفتہ آ رہا ہوں ایسی منزل کے قریب
دھوپ جائے گی، نہ میرے پاس سایا جائے گا

مصلحت کے نام پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
روشنی ہوگی مگر سایا بنایا جائے گا

اتحادِ باہمی کا نقش ابھرے تو عروج!
ذرہ ذرہ جوڑ کر سورج بنایا جائے گا

حکیم رازی ادیبی

عنا ۲، پشوانہ

حوصلے دیکھئے، ہم سوختہ سامانوں کے
ناز اٹھاتے ہیں سلگتے ہوئے ارمانوں کے

دور بیٹھا ہوا محفل میں تری اے ساقی!
دور گنتا رہے کب تک کوئی پیمانوں کے

ہم کو اپنوں کی عنایات نے برباد کیا
لوگ دنیا میں ستم سہتے ہیں بیگانوں کے

یوں مرے حال پہ آج اُس نے نگاہیں ڈالیں
کئی عنوان مجھے مل گئے، افسانوں کے

راہ تکتی ہے غریبوں کی اندھیری دنیا
دیکھنے والے! چمکتے ہوئے کاشانوں کے

چین سے بیٹھنے دیتا ہے کہیں جوشِ جنوں
پرزے ہو جائیں نہ جب تک کہ گریبانوں کے

کوئی محفل میں "غم شمع" کا پرساں ہی نہیں
سارے ہمدرد نظر آتے ہیں پروانوں کے

اپنی عظمت کو فقیروں نے اگر جان لیا
تاج نیلام پہ چڑھ جائیں گے سلطانوں کے

جب سناتا ہوں کوئی تازہ غزل اے رازی کلا
چہرے ہو جاتے ہیں گل رنگ سخندانوں کے

محمد ایوب واقف

پیالے پاڈے بمبئی ۵

زندگی ہے راہِ الفت میں تجھے پانے کا نام
موت ہے افسردگی کا قلب پہ چھانے کا نام

بھوک سے ٹوٹے ہوئے جسموں کی خواہش اور ہے
ہم نہیں رکھتے محبت اپنے افسانے کا نام

کامرانی کے لئے لازم ہے جہدِ مستقل
ہار ہے وقتِ مصیبت دل کے گھبرانے کا نام

سوزِ دل جس میں نہ شامل ہو وہ چاہت کیا کرے
بندگی ہے صدقِ دل سے یاد فرمانے کا نام

آپ کے آنے سے آتی ہے مرے گھر میں بہار
خانہ بربادی ہے گھر سے آپ کے جانے کا نام

عشق تو مانگے ہے واقف خونِ دل خونِ جگر
لوگ کیوں دیتے ہیں اسکو دل کے بہلانے کا نام

حمید دانش

ٹمکی روڈ، ناگپور

فروغِ حسن نظر ہے یہ دلکشی کیا ہے
کلی کا رنگ، گلوں کی شگفتگی کیا ہے
جہاں کا عیش زمانے کی سرخوشی کیا ہے
وہ ہوگئے ہیں ہمارے ہیں کمی کیا ہے
زمیں کی ایک ہی ٹھوکر خموش کر دے گی
فلک مزاجوں کی دنیا میں زندگی کیا ہے
بہار اب کے برس ساتھ لائی ہے کس کو
روش، روش پہ چراغوں کی روشنی کیا ہے
کبھی تو اپنے ستم کا بھی تجزیہ کیجے
ہمارے عشق کا چرچا گلی گلی کیا ہے
کہا ہی کیا ہے تمہیں ہم نے بے وفا کے سوا
ذرا سی بات پہ اس درجہ برہمی کیا ہے
وہ آکے سامنے بیٹھے ہیں صورتِ تصویر
یہ دشمنی کی علامت ہے دوستی کیا ہے
اڑا، اڑا سا تخیل کھنچا کھنچا سا سراب
نظر فریب بہاروں کی دلکشی ہے
کسی کی خاص توجہ کا ہے صدقہ دانش
ہمارا ذوقِ سخن کیا ہے شاعری کیا ہے

غلام رسول اشرف

تکیہ معصوم شاہ، مومن پورہ، ناگپور ۱۸

کب تک زمین فرش ہو، چھت آسمان ہو
ہر شخص چاہتا ہے کہ خود کا مکان ہو

جیسے ہو اردگرد مرے قاتلوں کی بھیڑ
ہر لمحہ اپنے قتل کا مجھ کو گمان ہو

ہے ٹوٹ کر بکھرنے کا بس خوف رات دن
میرا وجود جیسے شکستہ مکان ہو

کچھ اس طرح سے زخم چمکنے لگے ہیں آج
یہ جسم جیسے تاروں بھرا آسمان ہو

کہتا ہے چیخ چیخ کے سڑکوں کا یہ ہجوم
شاید ہی شہر میں کوئی خالی مکان ہو

راج کھیتی

ساؤتھ آل انگلستان

غیروں سے نہیں مجھ کو تو اپنوں سے ملا ہے
یہ زہر جو نس نس میں میری دوڑ رہا ہے

سورج نے بھی انعام اندھیرے کا دیا ہے
کیا میری وفاؤں کا بس اتنا ہی صلہ ہے

ڈھونڈے سے نہ مل پایا ہمیں، کوئی ہمیں سا
اس دور کے انساں کا نیا رنگ، ادا ہے

جتنے بھی ملے یار وہ بندے تھے غرض کے
جب پورا ہوا کام تو پھر راہ جدا ہے

ہر جام تھا لبریز مگر اپنا تہی تھا
ساقی سے گلہ ہے، ہمیں ساقی سے گلا ہے

ہے راجؔ برا وقت کہ چپ رہنا ہے بہتر
ہر موڑ پہ شمشیر لئے وقت کھڑا ہے

یوسف راز

نعل صاحب، ناگپور ۲

○

ساتھ جو چھوڑ دے ایسوں کا بھروسہ کیا ہے
زندگی خواب ہے اور اس کے علاوہ کیا ہے

طفلِ مکتب ہیں ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے
ہوش آئے گا تو سمجھو گے یہ دنیا کیا ہے

سچ جو کہتا ہے اسے سولی چڑھا دیتے ہیں
یا خدا تیری یہ دنیا کا تماشہ کیا ہے

درد سینے میں لئے بیٹھے ہیں ہم مدت سے
ہم کو معلوم نہیں غم کا مداوا کیا ہے

بے جھجک آئیے ہر وقت یہ گھر آپ کا ہے
آپ اپنے ہیں بھلا اپنوں سے پردا کیا ہے

آئینہ سامنے ہے آنکھ سے دیکھو خود ہی
کون کیسا ہے برا کیا ہے اور اچھا کیا ہے

راز چہرے سے تو معصوم نظر آتے ہیں
آپ کے دل میں ہمارے لئے جذبہ کیا ہے

سکندر ضمیر

معرفت راماین ہاؤس، آزاد مارکیٹ، بھوپال

○

افق پہ جب نورِ صبح چمکا، تھکے ستاروں کو نیند آئی
مگر جو جاگے تھے غم کدے میں "نہ ان" بچاروں کو نیند آئی

ملی جب انساں کو غم کی دولت، وداع خود ہو گئی مسرت
ہوا تسلط جہاں خزاں کا، وہیں بہاروں کو نیند آئی

رہا جو ہر ایک پہ لطف ساقی، رہی شکایت نہ کوئی باقی
نہ میکدے کا شباب اجڑا، نہ میگساروں کو نیند آئی

ہماری بے چینیاں جو ٹھہریں، سمندروں نے سکوت پایا
تھمے جو آنسو کبھی ہمارے، تو آبشاروں کو نیند آئی

تھکے ہوئے وقت تو بھی سو جا، کہ ہمسفر تیرے تھک چکے ہیں
وہ دیکھ سب نے پڑاؤ ڈالے، وہ رہگزاروں [illegible] نیند آئی

ضمیر اب رات ڈھل چکی ہے، فضا میں روشن ہے دھوپ اجلی
مگر نہ یہ سوچ کر تو سونا کہ فتنہ کاروں کو نیند آئی

جلیل ساز

ناگپور

خوشحال زندگی کی تمنا لئے ہوئے
دنیا میں ہم بھٹکتے ہیں دنیا لئے ہوئے

دور آئے کوئی اور مسیحا لئے ہوئے
انسان کے دکھوں کا مداوا لئے ہوئے

چھائی ہوئی ہے دھند سی نظروں کے سامنے
آجائیے تو اب رخِ زیبا لئے ہوئے

گزرے ہیں لوگ وادیٔ دار و صلیب سے
سینے میں پتھروں کا کلیجا لئے ہوئے

تم اپنے پاؤں آپ ہی کاٹو تو کیا کہیں
چلتے ہو دوسروں کا سہارا لئے ہوئے

گر طور پر نہیں تو سرِ انجمن سہی
بیٹھے ہیں ہم بھی چشمِ تماشا لئے ہوئے

اے سازؔ ہم کو غم کے اندھیروں کا ڈر نہیں
پھیلے ہیں دل کے داغ اجالا لئے ہوئے

میکشؔ ناگپوری

مومن پورہ - ناگپور

شامِ عشرت کی طرح صبحِ بہاراں کی طرح
قلب روشن ہے مرا شمعِ فروزاں کی طرح

میرا دل چاک ہوا چاک گریباں کی طرح
اب گلستاں نظر آتا ہے بیاباں کی طرح

میرے سینے میں منور ہوئے یادوں کے چراغ
بزمِ خوباں کی طرح شہرِ نگاراں کی طرح

کوئی مونس، کوئی ہمدم، کوئی ساتھی نہ ملا
ہم پریشاں ہی رہے زلفِ پریشاں کی طرح

میں نے چاہا کہ سنبھل جائے طبیعت میری
دل شکستہ ہی رہا دیدۂ گریاں کی طرح

یوں تو مجھ کو غمِ ذوداں نے کئی غم بخشے
کوئی جچتا نہیں لیکن غمِ جاناں کی طرح

چشمِ الفت سے نہ دیکھا کبھی دنیا نے مجھے
میں کھٹکتا ہی رہا خارِ مغیلاں کی طرح

میرے ساقی ترے اندازِ کرم کے صدقے
اب تو میکشؔ بھی نظر آتا ہے انساں کی طرح

رضیہ انجم آغا (ایم۔اے)

درباگی، بلگام

دو منی کہانیاں

خوش دامن

ندیم نے مجھے چھوٹتے ہی پوچھا "کیوں بھئی ذیشان بڑے خوش نظر آرہے ہو کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے؟" میں نے کہا "ارے بھئی سسرال سے واپس آرہا ہوں۔ ندیم! یہ ساس بھی عجیب ہستی ہے اس کی چاہت کا تو حساب ہی نہیں وہ اپنی بیٹی سے زیادہ ہمیں چاہتی ہے۔ تب ہی تو وہ خوش دامن کہلاتی ......

بس کرو ذیشان، بس کرو، وہ خوش دامن کہلائے کہ خوش حال دامن، ہوتی مگر خود غرض ہے۔ وہ تمہیں اس لئے چاہتی ہے کہ تم بھی اس کی بیٹی کو اسی طرح چاہو، خواہ وہ چاہے جانے کے لائق ہو یا نہ ہو، اور وہ تمہیں چاہے یا نہ چاہے" ممتا" کے لئے کوئی تشبیہہ ڈھونڈ نکالو تو جانیں۔ سوائے "ماں" کے کوئی ہستی بے لوث محبت کرنے والی نہیں ہوتی مجھے؟ اور میں ممتا کا ہم پلہ لفظ ڈھونڈتے کا ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔

--o--

دستک

جونہی میں نے دستک دی۔ اس نے پوچھا، کون ہو؟ میں نے کہا "سچائی"! اس نے کہا تم وہی ہو نا؟ جس کی وجہ سے پھانسی کی سیج سجی، معصوم بچے یتیم اور جوان عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ پھر آواز آئی، کون؟ میں نے کہا "شرافت" اس نے کہا، تم وہی ہو نا؟ جس نے معصوم اور بے گناہوں کو سسکایا اور انہیں بے موت مار دیا ــــ میں نے سہ بارہ دستک دی۔ پھر آواز آئی، کون؟ میں نے کہا "نیکی" تو اس نے بڑی حقارت سے کہا تم وہی ہو نا؟ جس کے بدلے میں تم بدی سے اپنا دامن بھرتی رہی۔ پھر میں نے آخری بار دستک دی۔ اس نے پھر پوچھا "کون" میں نے کہا "انصاف" اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ گویا میرا منہ چڑایا جا رہا ہے۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ انصاف کا ایک پل ہزار سالہ تقویٰ سے بہتر ہے ... میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں غصہ سے پاگل ہو اٹھی، درمیان میں حائل شدہ چیز کو توڑ دیا اور اسے مسل اور کچل کر رکھ دیا، تاکہ دستک دینے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ وہ "میرا نفس تھا" جس کا کچلا جانا ہی ٹھیک تھا۔ ●

ایس ایس علی

ضلع پریشد ہائی اسکول۔ بالاپور ۔ ۴۴۴۳۰۲

بے سانپ کا دھن

خنجر نے سن رکھا تھا کہ نیام میں پڑے پڑے وہ زنگ آلود ہو جائے گا۔ رفتہ رفتہ وہ نیام میں بے چینی، بے بسی اور بوریت محسوس کرنے لگا۔ وہ کنوئیں کا مینڈک بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ لامحالہ اسے اپنے زنگ آلود ہونے کا احساس ہونے لگا۔ پھر ایک دن وہ دنیا کی بوقلمونیوں کا تجزیہ کرنے کے لئے نیام سے باہر نکل ہی گیا۔ برہنہ آبدار خنجر۔ چاروں طرف سے اس کو مقناطیسوں نے گھیر لیا۔ جسموں سے پھوٹتی ہوئی خوشبوئیں، اسپرے، پاؤڈر، شراب اور سگریٹوں کی ملی جلی مہک۔ رنگ و نور کے بہتے دریا، نقطہ نقطہ نظریں اور دائرہ دائرہ سوچیں۔ حسن کے شعلوں سے اپنے دامن کو کب تک بچاتا۔ آخر اس کا مومی دامن پگھل ہی گیا۔ ضمیر کی مزاحمت پر مقناطیسی کشش غالب آگئی۔ وہ ایک مقناطیس سے ٹکرا گیا، بجلی سی کوندگئی، شعلوں کی زبانیں اسے چاٹنے لگی۔ شفق پر سرخی چھاگئی اور سمندر کے کناروں پر سفید سفید جھاگ پھیل گئی۔ جھاڑیوں میں پرندے چہچہانے لگے۔ آبشاروں کا مدھر سنگیت فضا میں بکھرنے لگا۔ اس کی دھار تھوڑی سی کند ہو گئی۔ لیکن اس حادثہ میں اس کے ایک نیا لطف ملا، نیا جوش نیا ولولہ جو نیام میں رہ کر کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ پھر تو ہر روز ایک نئے مقناطیس سے ٹکرانا اس کا معمول بن گیا۔ بجلیاں کوندتی رہیں، شعلوں کی زبانیں لپکتی رہیں۔ اس کی چمک اس کا آب شعلوں کی غذا بنتا رہا۔ اس کی دھار کند ہوتی رہی، اس پر زنگ چڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس پر زنگ کی اتنی موٹی تہہ چڑھ گئی کہ مقناطیسوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے میں اسے اپنی نیام کی یاد آئی۔ اب نیام میں رہنے میں ہی اسے اپنی عافیت نظر آئی۔ لیکن نیام تو کہیں کھو گئی تھی۔

پھر ایکدن اچانک اس کا سامنا اپنی نیام سے ہو گیا۔ وہ پشیمان، پشیمان سا نیام میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا، لیکن مقناطیسوں نے اسے دھکے سے اکھاڑ دیا تھا۔ وہ جگہ جگہ سے خمیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک حسرت بھری نظر نیام پر ڈالی۔ لیکن اسے بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ نیام بھی جگہ جگہ سے پھٹ چکی ہے، اس میں بے شمار رخنے پڑ چکے ہیں ـــــ اوہ ! شاید وہ بھی بے نیام خون آشام خنجروں میں گھری رہی ـــ !!

●

نصرت فضل

عربی شاعری کا ایک ورق

۱۔ اکثریت و اقلیت

ہم غریب ہیں اور تھوڑے ہیں

لیکن کیا مفلسی جرم ہے؟

شریف دولت نہیں جمع کیا کرتے

وہ تو اسے صرف کرنا جانتے ہیں

تمہیں اپنی کثرت پہ ناز ہے

لیکن تم یہ بھول جاتے ہو

کہ

دنیا میں کثرت

ہمیشہ احمقوں کی رہی ہے

دشمن

-۲-

میری اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوگی
کہ میرے دشمن کمینے اور بزدل ہیں
وہ مجھ پر چھپ کر حملہ کرتے ہیں
میں مہسد کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں
ہم اگر کبھی دن کو رات کہہ ڈالیں
تو ہمیشہ اسی پر اڑے رہتے ہیں
لیکن میرے دشمنوں کو اگر
یہ پتہ چل جائے کہ میرا گدھا شریر ہے
اور کسی وقت دولتی چلاکر
مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے
تو وہ اسے اپنا باپ بنالیں
میری اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوگی !!

(ماخوذ)

راز رامپوری

بھولا بسرا ادب

"قربانی"

پانچ بجے شام کو نسیم تھکا ماندہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ صبح دس سے چار تک اس کا قلم جنبش میں رہتا۔ اور بھاری بھاری رجسٹروں کی ورق گردانی کرتے کرتے اس کی انگلیاں تھک جاتیں۔ پانچ سال ہوئے کہ اس نے یہ زندگی اختیار کی تھی جب سے وہ ایک ہی طریقے پر کام کرتا رہا جس وقت وہ دہلی میں داخل ہوا ہے تو بے یار و مددگار تھا۔ اور اب بھی کہ وہ ایک مشہور فرم میں ہیڈ کلرک ہے اس کا کوئی دوست نہیں۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس سال ہوگی۔ چہرے کا رنگ گندمی جس پر فکر و پریشانی کے آثار۔ آنکھیں بڑی، ڈاڑھی عام نوجوان طبقے کی طرح بالکل صاف۔ قد متوسط۔ اعضاء میں تناسب، گفتگو شریفانہ۔ نہ کبھی کسی پبلک جلسے میں دیکھا گیا نہ کہیں تفریح میں شامل ہوا اور نہ کوئی اس سے ملنے کے لئے اس کے تنگ و تنہا کمرے میں داخل ہوا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ بالکل تنہا ہے۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر پھینک دیا۔ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگائے اور لکھنے بیٹھ گیا۔

پیارے دوست ناصر۔ یقین مانو کہ میں آج پانچ سال کے بعد اس لفظ سے تم کو مخاطب کرنے کی ہمت کر رہا ہوں۔ جس کے معنی دنیا نے مجھے فراموش کرا دیئے ہیں اور میں اپنی اس جرأت فضول پر نادم بھی ہوں کیونکہ انسان جب تک اپنی بشری طاقتوں کے ماتحت رہیگا دشمن تو زمانے بھر کا ہو سکتا ہے۔ لیکن دوست کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔ خیر اگر اس مسئلے پر میں طویل بحث کروں تو تم قائل تو ضرور ہو جاؤ گے لیکن اس کے بعد تمہاری آزردگی کا بار میری روح کے لئے ناقابل برداشت ہو جائیگا اس لئے میں اس کو چھوڑتا ہوں اگر تمہاری فطرت ایک قریب المرگ[1] انسان کی صداقت اظہار کو بھی گوارہ نہ کرے تو خفا ہو لو لیکن یہ یاد رکھو کہ کبھی تم بھی ان خطرناک

---

[1] "قریب المرگ" غلط ہے۔ کیونکہ "مرگ" فارسی ہے۔ اس کی جگہ "قریب مرگ" یا "قریب الموت" ہونا چاہیئے۔

ضمیر فروشوں کے لئے آمادۂ تعریف ہو جاؤ گے جو اپنی ذات کو دوسرے کے سامنے دوست کی صورت میں پیش کرنے کے بعد بھی خواہشات کے اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ جاتے ہیں جو ان کے دوست کے خلاف بڑھتا جاتا ہو۔

مجھے یاد ہے کہ جب سے میں دہلی آیا ہوں تم نے مجھ پر بڑی بڑی مہربانیاں کی ہیں میری ملازمت بھی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تم نے اکثر اپنی واقفیت بڑھانے کے لئے مجھ سے میری بابت سوالات بھی کئے ہیں اور میں نے تم کو مطمئن کرنے کے لئے مناسب جواب دیئے اور یہ خیال کرتا رہا کہ کسی دن تم کو اپنے واقعات سے خبردار کرکے اخفائے حالات کی معافی چاہ لوں گا۔ میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ میں اپنے نامۂ اعمال کی تحریر میں کوتاہی نہ کروں کیونکہ آج کے بعد تم جیسے انسان تو دوسرا آفتاب ضرور دیکھیں گے لیکن میں جس کے نزدیک دنیا اور زندگی آج بیکار ہو چکے شاید اب اپنی آنکھوں کو اس "معصیت نظر" سے بچا سکنے کے قابل ہو جاؤں۔

سنو اور غور سے سنو کہ میں کبھی ہندوستان کے مشہور تعلقہ دار نواب احمد سعید صاحب کی بڑی اولاد کہلاتا تھا۔ اور میرا نام مظہر سعید تھا گو مظہر سعید کی اخلاقی موت کو ایک مدت گذر گئی لیکن آج اس نسیم کی جسمانی موت کا بھی دن آگیا، جس نے مظہر سعید جیسی ہستی کا جبراً گلا گھونٹ کر وجود پایا تھا۔

میری زندگی میں صرف ایک انقلاب ہے یعنی "استرداد غرض محبت"، اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں بھی عام عاشق کی طرح کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاتا۔ تو آپ سے بہت پہلے مردہ ہو چکا ہوتا۔ اس چیستان کو سمجھنے کے لئے میرے خیالات کا اندازہ لگاؤ۔

میرے خیال میں محبت ایک روحانی تعلق ہے جو محض انسانی مجبوریوں کے تماشے کے لئے قلب وجگر سے آشنا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عام لوگ خواہشات کو محبت سمجھتے ہیں اس لئے جب وہ کسی کو چاہنے لگتے ہیں تو ان کے دل میں چاہے جانے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ جس قدر ہم "کسی کو" چاہیں اس قدر نہ سہی تو کم سہی "کوئی" ہم کو چاہے بھی اور جب ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو لب خشک اور آہ سرد کے مظاہرے شروع کر دیتے ہیں۔ فوراً ہی رسوا ہوتے ہیں اور "شکایت حسن" کرکے

دوسرے کو بھی رسوا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تمام باتیں بجائے خود "محبت کی تذلیل" اور جمال کی توہین" ہیں۔ بحمداللہ تمہارا نسیم مجنوں تو ہے لیکن" بلائے فرقت لیلیٰ" اور "محبت لیلیٰ" کے اس" دوگونہ عذاب" سے محفوظ و مامون۔

بہرحال میرے والد نے مجھے زمانے کی نئی روشنی میں تعلیم دلائی اس لئے ہم لوگ گھر میں نہایت رہتے تھے۔ میرے ایک چچا مدت ہوئی اپنی ایک پانچ سالہ لڑکی زہرہ کو یتیم چھوڑ کر راہ گیر عالم باقی ہو چکے تھے۔ میں اس سے بہت مانوس ہو گیا۔ کیونکہ وہ اپنے چچا یعنی میرے والد کی نگرانی میں رہتی تھی، لیکن جب میں سن تمیز کو پہنچا ہوں تو بزرگوں میں ہیں "میاں بیوی" کی حیثیت دینے کے لئے تذکرے ہونے لگے۔ اس لئے ہم دونوں بظاہر اجنبی سے رہنے لگے، لیکن جب موقع ملتا تو دل کھول کے باتیں کرتے۔ زہرہ حسین تھی، اس کا رنگ بالکل چاندنی کا سا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جادو تھا، اور اس کی مسکراہٹ میں قیامت۔ میں اس کے سامنے پہنچ جاتا تو بس جب کبھی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگتی میں اس کو دیکھتا باقی تمام وقت میری نظر نیچی رہتی اور میرے بدن میں ارتعاش لیکن مجھے ایک طرح کا خفیف اطمینان تھا جو میری زندگی کو کبھی زیادہ تلخ نہ ہونے دیتا تھا۔

اسی حالت میں مجھے کالج کی تعلیم کے لئے علی گڑھ آنا پڑا اور یقین کرنا کہ میری بہت سی راتیں بے چین کر دینے والے سنہرے تصورات میں گذر گئیں۔ ہر امتحان کے بعد تھوڑی مدت کے لئے مکان جاتا اور واپس ہوتے وقت پورے بارہ مہینے کے لئے نئے خیالات لے آتا۔ یہ حالت چار سال تک رہی اس کے بعد میری تعلیم کے تمام مراحل طے ہو کر والدین کے نقطۂ نظر سے ان کے فرائض میں میرے لئے صرف نکاح رہ گیا۔۔۔ کہ دفعتاً ایک دن مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ زہرہ۔۔۔۔۔ مجھے صرف دوست کی طرح پسند کرتی ہے اور جس ہستی کو وہ چاہتی ہے وہ میں نہیں بلکہ میرا حقیقی چھوٹا بھائی "محمد سعید" ہے۔ تم بتاؤ کہ تم اس موقع پر کیا کرتے میری شادی میں صرف تین دن باقی تھے۔ ممکن تھا کہ میں اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر زہرہ کا خیال کرتا کیا یہ حقیقتاً محبت ہوتی۔ میں نے جو کچھ کیا اس کو مجملاً سنو۔

مجھے معلوم تھا کہ اگر میں اس موقع پر نکاح کرنے سے یا صرف زہرہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکاری ہو جاؤں گا تو میرے والد اس اعتبار کی بنا پر جو انہیں میرے خیالات

گذارشات

۱. مضمون نگار حضرات کے خیالات سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

۲. ایجوکیشنل ٹائمز کے لئے آئے ہوئے مضامین نظم و نثر میں مدیر کو ترمیم و تنسیخ کا پورا حق حاصل ہے۔

۳. مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ ایجوکیشنل ٹائمز کی تنگ دامانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مضامین میں اختصار سے کام لیں۔

۴. مناسب حاشیہ چھوڑ کر کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیں اور مضمون کے اخیر میں اپنا پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔

۵. غیر طلبیدہ مضامین کسی صورت میں واپس نہیں کئے جائیں گے اس لئے مضمون نگار حضرات سے التماس ہے مضمون کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

۶. ایجوکیشنل ٹائمز کے لئے مطبوعہ تخلیقات نہ بھیجیں۔

۷. جواب طلب امور کے لئے مناسب ڈاک ٹکٹ روانہ کیجئے۔

۸. جن حضرات کو اعزازی پرچے بھیجے جاتے ہیں، براہ کرم وہ رسید سے نوازیں۔

اوراحساسات کی بلندیوں پرہے ۔مشکوک ہوکر " محمد سعید " کے لئے بھی زہرہ کو پسند نہ کریں گے ۔ اس لئے علاج صرف یہی تھا کہ میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرلوں تاکہ وہ ان کی نظر میں بے خطا رہے ۔

میں نے یہی کیا ہمارے عالیشان محلوں کے سائے میں ایک جھونپڑی تھی جس کے مالک ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ اور اس کے دو بچے تھے ۔ایک لڑکا ایک لڑکی ۔ لڑکے کی عمر چودہ سال سے کچھ زیادہ اور لڑکی گیارہ سے کچھ کم ۔ اس بیوہ سے میرا نکاح ہوگیا ۔ والد نے مجھے محروم الارث کر دیا ۔ اس کے بعد میں دہلی چلا آیا، اس بیوہ کو اب تک برابر خرچ پہنچ رہا ہے ۔گذشتہ سال لڑکا کہیں ملازم ہوگیا ہے ۔ اور دو سال ہوئے کہ لڑکی کا کسی شریف اور خوش حال سے نکاح ہو چکا ۔ آج معلوم ہوا کہ پرسوں وہ عورت داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئی ۔میں نے اپنے تمام واقعات اس سے صاف صاف کہہ کر نکاح کیا تھا ۔ کیونکہ مجھے تو صرف آڑ درکار تھی ۔ اس لئے میرے ضمیر نے تو خرچ کے علاوہ دوسرے فرائض سے عدم سبکدوشی پر مجھے نفرین نہ کی ۔ اور شاید میں بھی اپنی بیوی کو یاد نہ آیا ہوں ۔ رہا میرا بھائی وہ زہرا کے ساتھ عیش سے بسر کر رہا ہے ۔ اور جہاں تک واقعات سے سند لی جا سکتی ہے اس کے دل میں اپنے گمشدہ بھائی کے لئے کوئی خلش نہیں ۔

چونکہ اپنی بیوی کی زندگی تک میری ذمہ داریاں باقی تھیں اس لئے میں مردہ بصورت زندہ بنا پھرتا رہا، آج میں آزاد ہوں اور اپنی روح کو زہرہ کے خیال میں محو کئے دیتا ہوں والسلام.......

اور ہوا بھی یہی کہ صبح کو وہ مردہ پایا گیا ، مختلف ڈاکٹروں نے مل کر اس کی نعش کا معاینہ کیا لیکن کسی کو یہ حوصلہ نہ ہو سکا کہ اسے مسموم لکھا جائے ۔ (ختم)

عشق ازیں بسیار کرد است وکند

ماخوذ ادیب پشاور نومبر ۱۹۳ء

سیمینار

گذشتہ دو تین ماہ میں کافی ادبی سرگرمیاں شہر ناگپور میں بالخصوص اور علاقۂ ودربھ میں بالعموم ہوئیں ۔ مختلف علوم و فنون کی کل ہند کانفرنسیں ناگپور میں ہوئیں اور اس طرح ادب و فن کے اعتبار سے گذشتہ ۲، ۳ ماہ کافی دلچسپی اور اہمیت کے حامل رہے ۔

اردو کوچنگ کلاسز

۱۰ ستمبر ۷۹ء کو حلقۂ احباب صدر ناگپور کی نگرانی اور ودربھ ساہتیہ سنگھ کے تعاون سے سیتابرڈی ناگپور کے علاقے میں اردو کوچنگ کلاسز کا افتتاح عمل میں آیا ۔ غیر اردو داں حضرات کو اردو سکھلانے کے اس کام کے لئے مہاراشٹر اردو اکیڈیمی کی جانب سے مالی تعاون بھی حاصل ہے ۔ حلقۂ احباب کے کرتا دھرتا محترم ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خان منشاؔ [جو اکیڈیمی کے رکن بھی ہیں] کی عملی دلچسپی اس کام کے آغاز میں معاون ثابت ہوئی ۔ یہ کوچنگ کلاسز ودربھ ساہتیہ سنگھ کے تلک ہال میں جاری ہیں اور ابتدا میں ۸۰ غیر اردو داں حضرات نے اردو سیکھنے کے لئے نام درج کروایا تھا ـــ کلاس بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے ۔ برادرم محمد قمر حیات وہاں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ۔

یہاں یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اردو کوچنگ کلاسز کا آغاز ۱۹۷۷ء میں سب سے پہلے اردو اسٹڈی سرکل مومن پورہ ناگپور نے کیا تھا ۔ اور وہاں راقم الحروف نے تین ماہ کی مدت میں اردو لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھانے کا تجربہ کیا تھا ۔ اردو اسٹڈی سرکل کی کلاسز مومن پورہ میں چل رہی ہیں ۔ تجربہ کی کامیابی نے کارکنوں کے دل بڑے کئے اور کچھ دنوں بعد ایک ساتھ دو کلاسیں بھی چلائی گئیں ۔ اس طرح اب تک کل آٹھ بیچ نکل چکے ہیں اور تقریباً ۲۰۰ اشخاص نے ان کلاسز سے استفادہ حاصل کیا ہے ۔ راقم الحروف کے ساتھ ساتھ برادرم اشتیاق صاحب اردو اسٹڈی سرکل میں تدریسی فریضہ انجام دیتے ہیں ۔

حلقۂ احباب کے ذریعے جاری کی گئی کلاس میں اسی آزمودہ طریقۂ کار کے ذریعے تعلیم دی جا رہی ہے اس طرح شہر ناگپور میں فی الوقت ۲ اردو کلاسز کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں اور دونوں کو مہاراشٹر اردو اکیڈیمی مالی امداد فراہم کر رہی ہے ۔

غالب پر مراٹھی ناول

مسز اندومتی شیورے نے مراٹھی زبان میں غالب پر ایک ناول "کتھا ایک شاعری" کے نام سے تحریر کیا ہے جس کا اجرا پر پچھلے دنوں اردو فارسی کے مشہور محقق اور مورخ جناب سیتو مادھو راؤ پگڑی کے ہاتھوں ہوا۔ مسز شیورے نے اس ناول میں غالب کی زندگی، ان کی کشمکش حیات اور ان کی شاعری کی تفصیلات دلنشیں پیرائے میں ناول کے انداز میں آسان اور سادہ زبان میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی عہد غالب کے ہندوستان کے طبقۂ اعلیٰ کی طرز زندگی کا حقیقی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ "کتھا ایک شاعری" مصنفہ کے گہرے مطالعے اور سخت محنت کا مظہر ہے۔

ادبی محفل

مدرسہ تعلیم الادب منیر منزل اسٹیشن روڈ درگ میں شہاب الدین غافل مرحوم کی یاد میں ایک مشاعرہ اور ادبی محفل منعقد ہوئی۔ مشاعرہ کا آغاز مرحوم کی ٹیپ شدہ غزل سے ہوا۔ بعد ازاں فلپ لوئیس کیف نے مرحوم کو منظوم تعزیت نامہ پیش کیا ؎

آپ کے سائے میں رہنے کی تمنا کی تھی
اس تمنا پہ کبھی پچھتائیں گے معلوم نہ تھا

جناب م۔ ع۔ حیرت، جناب بدر القریشی بدر، جناب ابراہیم فریدی، جناب پنڈت گیا پرساد خودی، جناب شیخ نظام نظام، جناب نور محمد خاں نور، اور جناب خورشید علی نظمی نے اپنے تازہ ترین کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

غافل مرحوم ناگپور کے رہنے والے تھے اور بسلسلۂ ملازمت ۱۹۵۸ء سے درگ میں مقیم تھے، اور وہیں ۱۹۷۸ء میں انتقال ہوگیا۔ انہیں الاستاذ زخمی بالودوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

ادبی سنگم ناگپور کے زیر اہتمام ہندوستان کے مشہور شاعر مرحوم عالی جناب وحید الدین خاں [illegible] نواب آف گیوردھا کی یاد میں ایک شاندار ادبی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اول حصہ میں جناب شاکر اورنگ آبادی کی صدارت میں ایک سمپوزیم ہوا جسمیں نواب آف گیوردھا کی شخصیت و شاعری پر محترمہ زرینہ ثانی، محترم فرید تنویر، محترم ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشا اور جناب شاکر اورنگ آبادی نے مقالات پڑھے اور تقریریں کیں بعد ازاں مقصود کارنجوی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا، نظامت ثقلین حیدر نے کی اور ناگپور کامٹی کے علاوہ علاقۂ ودربھا

کے کئی شاعروں نے اپنا کلام سنایا۔

کل ہند جلسے

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اسٹڈیز [آئی ایچ ایس] کی اٹھارویں کل ہند کانفرنس ناگپور میں ۱۰ اکتوبر سے ۱۲ اکتوبر تک ہونے والی تھی لیکن ۱۰ اکتوبر ۹۵ء کو اس کا پہلا ہی اجلاس سخت افراتفری اور نعرہ بازی کا شکار ہو گیا۔ نعرہ بازی کرتے ہوئے نوجوان اور طلبہ ڈائس پر چڑھ دوڑے اور انہوں نے امریکہ اور سی آئی اے کے خلاف نعرہ لگا کر جلسہ گاہ کو درہم برہم کر دیا۔ مخالفین آئی ایچ ایس پر امریکی ایجنٹ ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

اس تین روزہ کانفرنس میں شرکت کرنے کی غرض سے ملک کے طول و عرض سے ۵۰۰ مشہور مورخین ناگپور آئے ہوئے تھے۔ کانفرنس میں ۵۰ تاریخی مقالات پڑھے جانے تھے لیکن کانفرنس کے غیر متوقع طور پر ملتوی ہو جانے کی وجہ سے انہیں بغیر پڑھے اور سنے ہوئے ہی خواندہ متصور کر لیا گیا۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اسٹڈیز ۱۹۶۱ء میں قائم ہوا، اور ڈاکٹر مہتا کے قول کے مطابق یہ ادارہ علم تاریخ کے ماہرین کا سب سے زیادہ فعال ادارہ ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کے ساڑھے تین سو سے بھی زائد ممبر ہیں۔ حکومت بنگال اس ادارہ کے اخراجات کے لئے مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ نے کئی تاریخی و تحقیقی کتابوں کی اشاعت کی ہے جس میں ۴ جلدوں پر مشتمل ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی سب سے زیادہ اہم ہے اور ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کا واحد کام ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کا سہ ماہی مجلہ ریویو آف ہسٹاریکل اسٹڈیز تاریخی مجلوں میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت پرچہ ہے جس میں ہندوستان اور بیرون ملک کے ممتاز ماہرین تعلیم تاریخی مقالات لکھتے ہیں۔"

تصویر کا دوسرا رخ جو مخالفین پیش کرتے ہیں، اس کے مطابق انسٹی ٹیوٹ مکمل طور پر امریکہ اور CIA کا ایجنٹ ہے جو امریکہ سے مالی امداد لے کر برصغیر کی تاریخ کو امریکی مفادات کے تحت مسخ کرنے کا کام کر رہا ہے۔

[۲]

سائنس کی قومی ہندوستانی اکیڈمی [نیشنل اکیڈمی آف سائنسز انڈیا] کا ۹۴ واں سہ روزہ اجلاس ناگپور میں ۲۷ اکتوبر ۹۵ء سے ۲۹ اکتوبر ۹۵ء تک ہوا، جس کا افتتاح جناب صادق علی گورنر مہاراشٹر نے کیا۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور اکیڈمی کے صدر جناب ڈاکٹر ہری نارائن نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ اس کانفرنس کے موقعہ پر ایک سائنسی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

یہ اکیڈمی ملک کی قدیم ترین سائنس اکیڈمی ہے جس کا ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اور

[مم]تاز سائنسداں میگھناد سبھا، بیربل ساہنی، اے سی بنرجی کے ایل بہل وغیرہ اس کے اولین بانیوں میں [ت]ھے۔ اس وقت اس اکیڈمی کے ۱ ہزار سے زیادہ ممبر اور ۲۵۰ فیلوز شامل ہیں۔ سائنسی تحقیقات کو فروغ دینا اور قومی ترقیاتی کاموں میں سائنس کے افادی پہلوؤں پر تحقیقاتی کام کرنا اکیڈمی کے اہم مقاصد ہیں۔

[۴]

اسٹوڈینٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کا دوسرا سالانہ اجلاس ناگپور میں ۱۹، ۲۰، ۲۱ راکتوبر کو منعقد ہوا۔ اس کانفرنس میں ملک کے گوشے گوشے سے چھ ہزار مسلم نوجوانوں نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں افغانستان، پاکستان، ایران، بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا، امریکہ، ترکی، کویت، سعودی عرب وغیرہ ممالک کے نمائندے بھی کانفرنس میں شریک رہے۔ اندرون ملک سے ممتاز مسلم رہنماؤں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کا مقصد اسلام پسند طلبہ و نوجوانوں کا متحد کرنا اور ملک کی تعمیر جدید میں اسلام کے کردار پر بحث کرنا تھا۔ کانفرنس اپنے مقاصد کے لحاظ سے انتہائی کامیاب رہی۔ اور اس نے مختلف گوشہ ہائے حیات میں اسلامی رہنمائی اور فلسفہ کو نہایت کامیابی کے ساتھ پیش کیا۔

انعامات

امسال نوبل امن انعام ہندوستانی شہری کو ملا ہے۔ حالانکہ مدر ٹیریسا پیدائشی طور پر یوگوسلاویہ کی رہنے والی ہیں لیکن انہوں نے ہندوستانی شہریت اختیار کر لی ہے اور آج کل وہ مدتوں سے کلکتہ میں مقیم ہیں۔ وہ نوبل امن انعام حاصل کرنیوالی چھٹی خاتون ہیں، امسال امن انعام کی رقم ایک لاکھ ۹۰ ہزار امریکی ڈالروں کے برابر ہے۔

[۵]

ادب کا نوبل انعام یونانی شاعر اوڈیسیس ایلائٹس کو ملا ہے جن کے متعلق ایک مختصر تعارفی مضمون اسی شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

حکومت پاکستان کی جانب سے اقبال شناسی کے اعتراف کے طور پر مندرجہ ذیل ہندوستانی ادباء و نقادان فن کو علامہ اقبال میڈل عطا کیا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور، علی سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، صباح الدین عبدالرحمن، گوپی چند نارنگ،

نوید بلاسپوری

رباعیات عمر خیام

۱

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما — صبح دم آئی میکدہ سے صدا
کاے رند خرابات دیوانۂ ما — کہ اے آشفتگان میخانہ
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے — اس کے پہلے کہ پُر ہو جام حیات
زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما — کیوں نہ بھر لیں ہم اپنا پیمانہ

۲

چوں می نہ دہد اجل اماں اے ساقی — جب موت مقدر ہے تو پھر اے ساقی
در دہ قدح شراب ہاں اے ساقی — کیا فائدہ کڑھ کڑھ کے جئیں اور مریں
غم خوردن بیہودہ نہ کار دل ماست — بے سود ہے سوز غم ہستی کا مآل
ایں دو سہ روزہ دو جہاں اے ساقی — بہتر ہے کہ ہم شغل مے و جام کریں

۳

ساقی گل و سبزہ بس طربناک شدہ ست
دریاب کہ ہفتہ دگر خاک شدہ است
مئے نوش و گلے بچیں کہ تا درنگرے
گل خاک شدہ است سبزہ خاشاک شدہ ست

یہ مہکتا ہوا گلشن یہ بہاریں یہ فضا
جو گزر جائے گا یہ دور نہیں آئے گا
شاخِ گل سبزۂ تازہ یہ بہار رنگیں
جام اٹھا ورنہ یہ شیرازہ بکھر جائے گا

۴

چوں ابر بہ نوروز رخ لالہ بشست
برخیز و بجام بادہ کن عزم درست
ایں سبزہ کہ امروز تماشہ گہِ تست
فردا ہمہ از خاک تو برخواہد رست

جب باغِ گل و لالہ پہ بدلی برسے
اٹھو اور مئے ناب سے پیالہ بھر لے
یہ سبزہ جو فردوس نظر ہے شائد
کل تیرے بھی مدفن کا احاطہ کرلے

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے بھیجنا ضروری ہے

"میں" [مجموعۂ کلام]

شاعر: عبداللہ کمال

ملنے کا پتہ: مکتبۂ جامعہ، بمبئی، علی گڑھ، دھلی۔

عبداللہ کمال کے اولین مجموعۂ کلام "میں" کو ہاتھ میں لیتے ہی ایک بھرپور طمانیت اور مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ سرورق سے لیکر آخری ورق تک ایک حسین و پرکشش طلسم کا حصار ہے جو قاری کو اپنی گرفت سے آزاد نہیں ہونے دیتا۔ نایاب کے رنگوں میں بندھا ہوا عبداللہ کمال کا چہرہ "میں" کے سرورق کی حیثیت سے اپنی معنی خیزی کے ساتھ ابھرتا ہے ــــ سیاہ رنگ میں لپٹا ہوا ایک اداس چہرہ، ہونٹوں پر گمی سنجیدگی، آنکھوں میں ویرانی، خلاء میں جھانکتی ہوئی عینک، سیاہ رنگ میں ڈوبی ہوئی کشادہ پیشانی اور اڑے اڑے سفید بال، اکمال کے مجموعے "میں" کی معنی آفرینی کا احساس سرورق ہی سے جاگ اٹھتا ہے۔ اس مجموعے میں ایک ایسی ذات بکھری ہوئی ہے جس کی شخصیت کے ٹکڑے آج کے معاشرے میں جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ شاعری ایک ایسے کردار سے روشناس کراتی ہے جو ایک اکھڑی ہوئی شخصیت اور ٹوٹی ہوئی ذات کا ترجمان ہے۔

سرورق کے بعد ہر صفحہ نایاب اور عتیق کی تزئین کاری سے کسی دلہن کی طرح نکھرا ہوا ہے۔ مجموعے میں ۱۹۶۰ء سے لیکر ۱۹۷۷ء تک کی تخلیقات شامل کی گئی ہیں۔ انتساب اس نازک پہلو کے نام ہے جو کسی حساس اور جذباتی قلم کار کی سب سے بڑی قوت ہے۔ عبداللہ کمال نے "میں" کا نذرانہ اپنی مجازی ماں بیگم خدیجہ جاں نثار اختر کی خدمت عالیہ میں پیش کیا ہے۔ یہ انتساب اور نذر گزاری بھی کمال کی ذات کو ابھارتی ہے، عورت، جس کے وجود کو علامہ اقبال نے رنگ کائنات سے تعبیر کیا ہے عبداللہ کمال کی نگاہ میں بھی پورے تقدس و احترام کے ساتھ اترتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں وہ چھچھلا پن نہیں جو بیشتر رومانی شاعروں کی چوماچاٹی اور کنگھی چوٹی کے اسلوب میں ظاہر ہوتا ہے یا اکثر ترقی پسندوں کے یہاں صنف نازک کے جذبات بھڑکاتا اور ترغیب دیتا ہوا ملتا ہے۔

۱۹۶۰ء میں عبداللہ کمال نے کچھ اس طرح کے اشعار کہے تھے۔

اپنی آنکھوں کو امیدوں سے سجائے رکھنا
جلتی راتوں میں کوئی خواب بسائے رکھنا

لوٹ کر آؤں گا پھر گاؤں تمہارے اکدن
اپنے دروازے پہ اک دیپ جلائے رکھنا

اجنبی جان کے پتھر نہ سواگت کو بڑھیں
اپنی گلیوں کو مرا نام بتائے رکھنا

سونے ساون میں ستائے گی بہت پروائی
درد کو دل میں مگر اپنے دبائے رکھنا

ہجر کی تیرہ شبی ٹھہری ہے تقدیر وصال
میری یادوں کے ستاروں کو جگائے رکھنا

خوش نقابی کا بھرم ٹوٹنے پائے نہ کمال
غم کو ہونٹوں کے تبسم میں چھپائے رکھنا

یہ اس زمانے کی غزل ہے جب ترقی پسندوں کے موضوعات ختم ہو چلے تھے اور وہ یا تو تھک کر بیٹھ گئے یا پھر اپنے آپ کو دہرا رہے تھے ۔ اس جمود کے دوران جو ترقی پسند شعراء اپنے زندہ ہونے کا احساس دلا رہے تھے، ان کی لفظیات اور کسی حد تک موضوع میں ایک نمایاں تغیر ہو چلا تھا ۔ اس نئی لفظیات اور نئے تغیر کو بعض نقادوں نے نئی ترقی پسندی کا نام دیدیا ۔ اور جدیدیت کی بیشتر تخلیقات پر بھی اصطلاح کا اطلاق فرمانے لگے ۔ ایسے ماحول میں وہ فنکار جس نے نئے نئے ہاتھ پاؤں نکالے ہیں، اپنے اطراف سے یقیناً متاثر ہوگا ۔ چنانچہ عبداللہ کمال کی اس غزل میں نئی شگفتگی اور تازہ کاری کے ساتھ ساتھ ترقی پسندوں کی رومانیت، زندگی، خواب پسندی، حوصلہ مندی اور پیغام و تخاطب کی چھاپ دکھائی دیتی ہے ۔ ساتھ ہی نئی امیجری، شبدوں کا نوتن پریوگ اور ترکیبوں کی نئی ساخت اس کی بھرپور خلاقی کو ظاہر کرتی ہے ۔ ١٩٧٠ء میں عبداللہ کمال کی غزل میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی ہے اور اس نے پہلے سے کچھ ہٹ کر شعر کہے ہیں ۔ [illegible] کی غزلوں میں کمال اپنی ساخت بنانے چل پڑے ہیں ۔ یہ اشعار دیکھئے ؎

خودشناسی کا صلہ، کرب کا صحرا ہوں میں
کون پہچانے کہ اک دشتِ تمنا ہوں میں

سرد پانی کی زباں چاٹتی رہتی ہے مجھے
گہرے میں ڈوبا ہوا ایک جزیرہ ہوں میں

بھول جاؤگے مجھے تم بھی سحر ہونے تک
آخرِ شب کا کوئی ٹوٹتا لمحہ ہوں میں

ہزاروں داغ ہیں میرے بدن پر
نجانے کس کے گھر کا راستہ ہوں

مری قیمت نہ زمیں و آسماں ہیں
بہت انمول ہوں پھر بھی بکا ہوں

کمال اس قتل گاہ روشنی میں
ہزاروں بار میں بجھ کر جلا ہوں

ان اشعار میں ایک سنجیدہ اور حساس شاعر کا دل دھڑکتا ہے جس کی فکر عمیق ہو چلی ہے اور جس نے منظر سے پرے دیکھنا شروع کر دیا ہے ۔ اسی بصیرت نے "میں" کی ذات کو سمجھنے اور کھولنے پر اکسایا ہے اور شاعر خودشناسی کے اس کڑے سفر پر نکل پڑا ہے ۔

اڑتا بادل، ڈھلتی چھایا، اک اک پل میں سو سو کایا [بقیہ صفحہ 45 پر]

شعلوں کا شجر [مجموعۂ کلام]

شاعر :- چندر بھان خیال

ناشر :- سطور پرکاشن ۲۲۷۱ دہلی گیٹ نئی دہلی ۲

ملنے کا پتہ :- ۱ سطور پرکاشن دہلی ۲

۲ مکتبہ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

قیمت :- دس روپے

حسین و خوبصورت گرد پوش سے مزین خوبصورت کتابت و طباعت سے آراستہ چندر بھان خیال کا مجموعۂ کلام " شعلوں کا شجر " شاعر کے تخلیقی عمل اور ان کے جذبات و احساسات کی گرمی کا ایک بھرپور تعارف کرواتا ہے ۔ گرد پوش پر محمود ہاشمی، مخمور سعیدی اور شمیم حنفی کے تاثرات ہیں اور اندر کمار پاشی نے ایک معنی خیز دیباچہ تحریر کیا ہے اور دیباچہ نگاری میں اپنی خود اعتراف کردہ ناواقفیت کے باوجود دامن بچاتے ہوئے تعریفی جملے " وافر تعداد " میں مہیا کر دیئے ہیں ۔ کمار پاشی کے دیباچے سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

" خیال کی نظمیں پڑھتے ہوئے سب سے پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات کے اندھیروں میں گم نہیں ہوا بلکہ وہ جلتے سلگتے معاشرے کے درمیان کسی ابر بہاراں کا منتظر ہے "

" خیال کا شعری مزاج کم مانوس ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ خیال کی شاعری کے لئے یہ فال نیک ہے ۔ ورنہ وہ بھی اپنے بعض قریبی ہم عصروں کی طرح مصنوعی کرب کی دلدل میں چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو گنوا بیٹھتے "

بہر حال چندر بھان خیال کا یہ مجموعہ اگر اردو کے شعری سرمایہ میں چونکا دینے والا اضافہ نہیں کہا جا سکتا تو بھی تجرباتی نوعیت کا ہونے کی وجہ سے اس کی اپنی ایک اہمیت ضرور ہے ۔ بقول مخمور سعیدی، خیال ایک سلگتی ہوئی سوچ اور تپتے ہوئے لہجے کے ذریعے اپنی انفرادی شناخت کرواتے ہیں اور اپنی انفرادیت کا تاثر پیدا کرنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں ۔ اس مجموعہ کو دیکھ کر ہم ابھی یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ خیال نے اپنی منزل کا تعین کر لیا ہے ۔ ہاں اس بات کا احساس ضرور ہوتا ہے کہ شاعر اپنی سمت سفر متعین کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور مجمع عام میں وہ اپنی پہچان کروانا چاہتا ہے ۔

۴۲ نظموں کے اس مجموعہ میں جگہ جگہ قاری رک رک کر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ شاعر کے اپنے

احساسات وجذبات، مشاہدے کی گہرائی اور ان کو ظاہر کرنے کے لئے جدید لفظیات کا استعمال یقیناً ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرتے ہیں ۔ شاعر کی شعلگی احساس واقعتاً اس مجموعہ کو شعلوں کا ایک شجر بنا دیتی ہے ۔

زندانی، آنچ کا بستر، جسم کی جوالا، بتیاں گل نہ کرو، چینوں کی پیاس، سمندر کا سکوت، نیوٹرون کا دائرہ، وقت کی آنکھیں، پریت پوجا وغیرہ چند ایسی نظمیں ہیں جن میں جدید تر استعارات وتشبیہات کا فنکارانہ استعمال نظر آتا ہے ۔ ہندی لفظوں کا استعمال اکثر خوبصورتی سے ہوا ہے ۔ دشٹی، دشدھر، پیاسا رچ، گندھ، آتما، گپھا، اجگر، جیبھ وغیرہ ہندی لفظوں کو شاعر نے اپنے فنکارانہ استعمال سے نئی وسعت بخشی ہے ۔

۴۲ نظموں کے علاوہ اس مجموعہ میں ۵ قطعات اور ۶ ترائیلے بھی شامل ہیں ۔ بہترین سفید کاغذ روشن کتابت، مضبوط جلد حسین گرد پوش کے ساتھ مزین کتاب "شعلوں کا شجر" قیمت دس روپیہ تعجب خیز حد تک مناسب ہے ۔

باقی تبصرہ صفحہ ۵۱ پر

۳- شباب [مجموعۂ کلام]

شاعر:۔ محبوب راہی، گلزاری مسجد بارسی ٹاکلی، ضلع آکولہ ۔
طابع:۔ فاطمی آرٹ پرنٹرس، مومن پورہ، ناگپور ۱۸
تقسیم کار: حنیف بکڈپو مومن پورہ ناگپور ۱۸
مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
قیمت :۔ دس روپے ۔

مہاراشٹر اردو اکیڈمی کی مالی اعانت سے محبوب راہی کا اولین مجموعۂ کلام "شباب" کے نام سے شائع ہوگیا۔ حال ہی میں زور دار طریقے سے بارسی ٹاکلی میں اس کی رسم اجراء بھی انجام پاگئی۔

راہی نے کتاب کا انتساب اپنی اہلیہ کے نام کیا ہے اور "اثبات" کے نام سے دیباچہ مظفر حنفی نے لکھا ہے۔ کل ۱۲۸ غزلیں اس مجموعہ کلام میں شامل ہیں۔ جن میں سے ایک خلیل الرحمٰن اعظمی اور ایک اقبال کی نذر کی گئی ہے۔ اور ایک غزل "عبدالرحیم نشتر کے نام" ہے۔ "اپنے منہ" کے عنوان سے محبوب راہی نے اپنا مختصر تعارف کرایا ہے "میرا لا ابالی پن کہہ لیجئے یا ماحول کی پستیوں سے ابھار کر اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ کہ گذشتہ ڈیڑھ دہائی سے بے تکان اور بے لگام لکھے جارہا ہوں اور ہندوستان کے مختلف معیار و مزاج کے حامل تقریباً تمام رسائل وجرائد میں مسلسل چھپ رہا ہوں"

بہرحال یہ بے تکان و بے لگام لکھتے چلے جانا محبوب راہی کی اپنی خصوصیت ہے اور یہ بسیار گوئی اکثر شاعر کے مخصوص مزاج اور لب و لہجہ کے تعین میں مشکلات پیدا کردیتی ہے۔ "ہجوم عاشقاں" میں وہی مجنوں صفت اپنے نقش دوام ثبت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جو راہ عشق میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اور سوچ سوچ کر رکھتے ہیں اور اپنی سوچ و فکر و عقیدہ کو عزم و یقین کی گرمی سے جلا بخشتے ہیں۔

اور مظفر حنفی کے توصیفی دیباچہ کے باوجود ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرہی لینا چاہیئے کہ محبوب راہی کی آواز اپنے پیش روؤں کی آواز کی بازگشت نہ بھی ہو تو وہ ان سے نمایاں اور الگ بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن محبوب راہی کی شخصیت کے تعلق سے چند اثباتی پہلو ضرور ایسے ہیں جو اس مجموعۂ کلام کو اہمیت بخشتے ہیں۔ مثلاً بارسی ٹاکلی جیسے ادبی لحاظ سے بنجر علاقے میں رہنا، پرائمری اسکول کی مدرسی کرنا، اور پھر شاعر کی سات پشتوں کا مصرعہ تک کو سمجھنے میں نااہل ہونا اور ان سب کے باوجود محبوب راہی کا شعر کہنا، ہندوستان کے مختلف معیار و مزاج کے حامل

قریباً تمام رسائل و جرائد میں مسلسل چھپنا اور آخرکار اپنا پہلا مجموعۂ کلام شائع کر دینا ـــــ یہ سب کچھ خود ایک بدیہہ نظم کی طرح چونکا دینے والا لگتا ہے ۔ اسی لئے "ثبات" کی اہمیت ہے ۔

معجزۂ فن کی نمود تو مدتوں خونِ جگر جلانے کے بعد ہی ممکن ہے اور محبوب راہی اسی راہ پر چل نکل پڑے ہیں۔ "ثبات" اسی بات کا ثبوت ہے کہ شاعر میں مادۂ تخلیق بے پناہ ہے اور فکر و نظر کی کشادگی، مطالعہ کی وسعت اور مشاہدہ کی گہرائی کبھی نہ کبھی راہی کی محبوبیت میں اضافہ کر دے گی ۔

جدت پسندی کے جوش میں شعراء اور خصوصیت سے راہی کی نسل کے شاعر عموماً فن سے اعراض کر جاتے ہیں یا ان کے کلام سے الفاظ کا عجز ٹپکتا ہے، جسے وہ ضروری اور غیر ضروری ہندی لفظیات کے استعمال سے چھپانے کی سعی کرتے ہیں ۔ اگر یہ اعراض فن کسی اصول کے تحت ہو، اور اس سے فن شاعری کو وسعت بخشنی منظور ہو تو مناسب بھی ہے، لیکن جہاں صرف برائے اعراض ہو، غلطی کی جائے اور پھر اسے فن کا نام دیا جائے تو یہ اردو زبان کے لئے کوئی فال نیک نہیں ہے ۔ اس لئے اگر ہمارے جدید شعراء اس طرف بھی دھیان دیں تو وہ زیادہ حسین کلام کی تخلیق پر قادر ہو سکتے ہیں ۔

محبوب راہی کے اس مجموعے میں بھی جگہ جگہ ہندی لفظوں کا استعمال اور کہیں کہیں فن کے لحاظ سے کمی کا احساس ہوتا ہے ۔ ہندی لفظوں کا استعمال اگر خوبصورتی سے کیا جائے تو بھلا معلوم ہوتا ہے، بصورت دیگر صرف ہندی لفظوں کے استعمال کی خاطر لفظوں کا استعمال بھونڈا پن پیدا کر دیتا ہے ۔

کتاب خوبصورت گرد پوش سے مزین ہے، شاعر کی تصویر اور مختصر حالات ٹائیٹل کے آخیر میں ہیں۔ اور سرورق شکیل اعجاز اکولوی کے قلم کا مرہونِ منت ہے ۔

[م خ ح]

تبصرۂ ماہ کا لیف

اڑتے روز و شب سے آگے کرتا ہے پرواز بدن
انجانی، اندیکھی صدائیں اکثر دستک دے جاتی ہیں
مجھ کو برہنہ کر دیتا ہے اکثر یہ فنا ز بدن
دور تک قطروں میں میری آگ کا سیلاب تھا
میں ہی اپنے گھر میں اب تنہا فصیل آب تھا
اک شکست دائرہ جز بیکرانی کچھ نہ تھی
یعنی سطح خاک پر بھی میں فقط نقش آب تھا
لہو، لمس نیکر کئی سلسلوں کا
میرے سر تک آیا تو پتھر دھواں تھا
کہاں تک تعاقب کوئی آنکھ کرتی
کہ جو کچھ تھا اب میرے اندر دھواں تھا

ان اشعار سے لگتا ہے کہ اب عبداللہ کمال نے اپنی پہچان بنالی ہے انہیں لفظوں کا برتنا آگیا ہے۔ وہ لفظوں سے کھیلتے نہیں بلکہ ان کی روح کو جگاتے ہیں۔ یہ تخلیقی عمل ۷۵ء کے بعد کی غزلوں میں اور بھی شدت لئے ہوئے ہے۔ ۷۵ء کے آتے آتے عبداللہ کمال نے اپنی ذات کا سفرنامہ مرتب کرنے کی پہلی کوشش کر ڈالی۔

"یس" بھونڈی جدیدیت سے ہٹ کر ایک صاف ستھری بامعنی اور بھرپور تخلیقی کتاب ہے۔ "یس" عبداللہ کمال کا پہلا چیلنج ہے اور نہایت بھرپور۔ ان کی دوسری کتابوں کا انتظار رہے گا تا کہ ان کی شخصیت اور بھی مکمل کر سامنے آسکے۔ سفید کاغذ پر حسن کاری اور خوبصورت کتابت سے مزین یہ کتاب جدید شعری ادب کا ستھرا شعور رکھنے والے بیس روپے میں مصنف کے پتے سے بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

عبداللہ کمال، ۲۸۔ آر شیام جی بلڈنگ مکند ٹھاکور، نور باغ، بمبئی ۴۰۰۰۰۸

عبدالرحیم نشتر

۱۹۷۸ء کا ایک اہم شعری مجموعہ

"شام گراں"

قیمت پانچ روپے

عبدالرحیم نشتر

ایجوکیشنل ٹائمز، گانجہ کھیت ناگپور ۱۸

محمد ظفر حیات

شاعرِ نو — اوڈیسیس ایلائٹس

امسال ادب کا نوبل انعام یونان کے اوڈیسیس ایلائٹس کو دیا گیا ہے۔ وہ دوسرے یونانی فن کار ہیں جنہیں دنیا کا سب سے زیادہ گرانقدر اعزاز بخشا گیا ہے۔

جارج سیفیرز [George Seferis] پہلے یونانی شاعر تھے جنہیں ۱۹۶۳ء میں نوبل انعام ملا تھا۔ سیفیرز نے ایک ایسی ادبی تحریک کی قیادت کی تھی جس نے یونانی ادب کو غیر ملکی ادب سے روشناس کرایا اور یونانی شعر و ادب کے حدود کو وسیع تر کر دیا تھا۔ چنانچہ سیفیرز کی کوششوں کے نتیجہ میں قدیم تراکیب و اسالیب کے انبار سے بوجھل یونانی شاعری فرانسیسی اشاریت اور سرئیلزم کے اثرات سے نئی زندگی پا گئی۔ سیفیرز نے جدید تر رجحانات کو فروغ دیتے ہوئے قدیم ادبی سرمایہ سے بھی استفادہ کیا اور اسکے یہاں ہمیں قدیم روایات کے ساتھ ساتھ عصری میلانات کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس نے مغربی زبانوں کے ادب خصوصاً ویلیری اور ایلیٹ کی تخلیقات کے کثرت سے تراجم کئے۔ اور جب ۱۹۳۱ء میں اس کا چھوٹا سا مجموعہ کلام "نقطہ انقلاب" [Turning Point] کے نام سے شائع ہوا تو واقعی وہ یونانی شاعری کے حق میں نقطہ انقلاب ہی ثابت ہوا۔ اور اسی مجموعہ کلام کے اثرات مابعد نے اوڈیسیس ایلائٹس جیسے شاعروں کو جنم دیا۔

ایلائٹس ۲ نومبر ۱۹۱۱ء کو یونان کے جزیرہ کریٹ میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپن اور عہدِ شباب ایتھنز میں گذرا جہاں سے اس نے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء میں جب مسولینی نے یونان پر حملہ کیا، ایلائٹس فوج میں بھرتی ہو کر البانیہ کے محاذ پر چلا گیا۔

اسی زمانہ میں اس کا ابتدائی مجموعۂ کلام "تعینِ سمت" [Orientation] ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ "آفتاب اولیں" [Sun The First] کے نام سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔ دونوں مجموعوں پر سرئیلزم کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اس نے یونان کے قدرتی مناظر کی اس طرح ترجمانی و تصویر کشی کی ہے کہ وہ اپنی تمام تر رومانیت، پراسراریت اور دلکشی

کے ساتھ قاری کے ذہن میں جاگ اٹھتے ہیں۔ جس وقت ملک کا بزرگ ترین شاعر سیفیرز یاسیت کے نغمے تخلیق کر رہا تھا اسی وقت نوجوان ایلائٹس نے امید و یقین، عزم و حوصلہ اور جوش و ولولہ کی شمع روشن کی۔ اس کا کلام روح و ذہن کو جلا بخشنے والا روشنی کا پیغامبر اور نورانیت سے بھرپور نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سے شاعرِ نور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ملک یونان کے لوگ اسے "بحرِ ایجین کے شاعر" کے نام سے بھی جانتے ہیں، کیونکہ اس کا کلام بحرِ ایجین کے پرمحبت بیان سے بھرپور ہے اور اپنے کلام میں وہ ایک ایسی روشنی کا تذکرہ کرتا ہے، جسے بحرِ ایجین آفتاب سے مستعار لیکر ریت کو تقسیم کر دیتا ہے۔

ایلائٹس کو یونان پر، یونان کی تہذیبی و ادبی روایات کے عظیم ورثہ پر بجا طور پر فخر ہے اور اسی لئے جب اسے نوبل انعام کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے اس ذاتی اعزاز کو ہومر سے آج تک کی یونانی شاعری کا اعزاز کہا۔

"پاگل انار کا درخت" اس کی ابتدائی نظموں میں ایک ہے، جس کا زمانۂ تخلیق گذشتہ جنگِ عظیم ثانی سے ذرا کچھ پہلے کا ہے۔

اس نظم کے ذریعے شاعر نے ایک ایسی فضا کی کامیاب تخلیق کی ہے جس میں عصری رنیت اور ذاتی تجربات کے ساتھ یونان کے شاندار ماضی کی عظیم روایات کے عناصر موجود نظر آتے ہیں۔

"مجھے بتاؤ

کیا وہ پاگل انار کا درخت ہے جو فاصلے پر کھڑا خوشیاں منا رہا ہے
اور سرد شعلوں سے بنے پتوں کے رومال کو ہلا رہا ہے
بے شمار جھاڑوں کے ساتھ جنم لیتا سمندر
موجیں جو ہزار ہزار بار نکل کر انمٹ ساحلوں کی طرف جاتی ہیں
مجھے بتاؤ،

کیا وہ پاگل انار کا درخت ہے

جو شفاف ہوا میں مستول کو چرچرانے پر مجبور کر دیتا ہے"

چھ بندوں پر مشتمل اس نظم میں ہر بند کے اختتام پر شاعر خود سے سوال کرتا ہے کہ [illegible] بی
شئے کو یہ جانے بغیر اپنے دل کے قریب کر سکتا ہے کہ اگر وہ شئے روشنی کے ساتھ ٹوٹ گئی تو [illegible] غورت
در آئیں گے یا یہ طاغوت ہمارے گہرے خوابوں کے سینوں پر اپنے پر پھیلا دیں گے۔

ایلائٹس اپنی ذات [illegible] اور خودی [illegible] ے تعلقات کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربات کا موازنہ بر فانی اشیاء سے کرتا ہے لیکن اُسے ایسی جراحتِ دل سے سابقہ نہیں پڑا جس نے ایلیٹ کو یہ کہنے پر مجبور

کر دیا تھا کہ "میں نے کاٹی ٹکیوں سے اپنی زندگی چن لی ہے" بحر ایجین کا شاعر اس قسم کے تاریک خیالات کی ہمت افزائی نہیں کرتا۔ وہ امید کا دامن کسی حال میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ یہی رجائیت اس کی عظمت کی بنیاد ہے۔

۱۹۴۵ء میں ایک یونانی سپاہی کی موت پر ایلائٹس نے ایک طویل نوحہ لکھا تھا جس کا نام تھا "شہید البانیا سیکنڈ لیفٹیننٹ کے لیے جوشیلے اور الم انگیز گیت" اس طویل نظم میں جو بے پناہ غنائیت اور شعریت ہے اور تاثر کی شدت پوشیدہ ہے اس نے اسے فوری اور بے انتہا مقبولیت عطا کر دی تھی۔ اس کے بعد ۱۵ سال تک شاعر خاموش رہا۔

۱۹۶۰ء میں اس کی نظموں کا ایک مجموعہ [Six and One Remorses for Heaven] شائع ہوا۔ اسی زمانہ میں اس کی طویل شاہکار نظم [Axion esti] اشاعت پذیر ہوئی۔ اس نظم میں شاعر کا مشاہدۂ ذات اور اندرون بینی کی بے مثال قوت درجۂ کمال کو پہنچ گئی ہے۔ قدیم فنی سرمایہ سے استفادہ کرتے ہوئے دورِ جدید کے انسانوں کی ذہنی الجھنوں اور اس کی جدوجہد کو شاعر نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ جو سنتا ہے، اسے اپنی سرگزشت معلوم ہوتی ہے۔ یہ مشکل نظم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) ابتدائیہ Genesis (۲) جذباتی ہیجان Passion اور (۳) دعا۔ اس نظم کا درمیانی حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔

اس طویل غنائی رزمیہ میں شاعر نے بازنطینی ادب کے اشارات کو استعمال کرتے ہوئے اپنے ضمیرِ ذاتی کے ارتقاء کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یونان کا ماضی و حال تصویر بنکر سامنے آجاتا ہے۔

رائل سویڈش اکیڈمی نے نوبل انعام عطا کرتے ہوئے جو سپاسنامہ دیا ہے، اس میں شاعر کے اسی کارنامہ کی طرف اشارہ ہے کہ "اس کی شاعری یونانی رسم و روایات کے پس منظر کے باوجود دورِ جدید کے انسان کی تخلیقی کشمکش اور آزادیٔ ذات کی جدوجہد کو پوری حسی قوت اور دانشورانہ ژرف نگاہی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے"

ایلائٹس اچھا مضمون نگار اور شہرت یافتہ مصور بھی ہے، اور فنِ مصوری پر اس کے کئی گرانقدر تنقیدی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

م خ ح

سالنامہ "ایجوکیشنل ٹائمز" ناگپور

ایجوکیشنل ٹائمز ناگپور، دسمبر ۱۹۷۹ء میں اپنی زندگی کے ۴ سال پورے کر رہا ہے۔ اس موقع پر ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پانچویں سال کا پہلا شمارہ جو جنوری تا مارچ ۱۹۸۰ء کا پرچہ ہوگا۔ "سالنامہ" کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ عمومی اشاعت سے دگنی ضخامت کا یہ سالنامہ انشاء اللہ فروری ۱۹۸۰ء کے اخیر تک آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ادارہ اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ ایجوکیشنل ٹائمز کے اس اولین "سالنامہ" کو علاقہ ناگپور و برار کی تہذیبی، علمی و ادبی سرگرمیوں کا آئینہ بنا کر پیش کیا جائے نیز اس شمارہ میں خصوصیت سے ودربھ میں جدید اردو شاعری کے آغاز وارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ اسکے علاوہ یہ سالنامہ افسانوں، غزلوں، نظموں اور تحقیقی و ادبی مضامین کا ایک مناسب امتزاج ہوگا۔

اہل قلم حضرات سے تعاون کی گذارش ہے۔

بقیہ نقش بر روئے آب "دل" بیچارہ بڑا ہی مایوس ہوجاتا ہے۔ اور انتہائی مایوسی کے عالم میں ــ ایک گوشے میں خاموش جا بیٹھتا ہے۔ "دماغ" خوب ہنستا ہے۔ خوب خوش ہوتا ہے کہ اس نے "بازی" "مارلی"..... مگر صبح ہو رہی ہے۔ شمع کا آخری تارہ مدھم روشنی سے جھلملا رہا ہے۔ دل تڑپ اٹھتا ہے۔

"نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا"

میں اب صرف چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔ دل و دماغ کی بحث ختم ہو چکی ہے۔ میرے خوابگاہ کی کھڑکیاں کھول دو۔ تاکہ میں اپنے ملک کے پرچم کو ایک مرتبہ سلام کرلوں۔ اور ایک مرتبہ اس ندی کی موجوں پر اپنی آخری نظریں بچھا دوں۔ ۔۔۔ جہاں میں عہد طفولیت میں سنگ ریزوں سے گھنٹوں کھیلتا رہتا تھا۔ مجھے اپنے گاؤں کی ان پگڈنڈیوں کو دیکھ لینے ۔۔۔ جو میرے عنفوان شباب کے نشانات ہیں۔ مجھے ان ہرے بھرے کھیتوں کو ایک نظر دیکھ لینے دو ــ شاید شام ہو رہی ہے۔ گاؤں کے گرجے گھر کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ مجھے آخری مرتبہ وہ الوہیت کا گیت سننے دو۔ جسے میرے کان ہمیشہ سنتے رہے ہیں۔ میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں، میرے دل کی رفتار کم ہو رہی ہے ــ ساتھیو! مجھے یاد رکھنا ــ یاد رکھنا، کہ میں تمہیں سب کچھ اپنا دیکر جا رہا ہوں۔ میری آخری آرام گاہ کے پتھر پر کندہ کردینا ــــ وہ جس نے اپنے ماحول کو ہمیشہ "برسرپیکار" ہونے کی دعوت دی۔ ●

وفیات

مولانا عبدالسلام قدوائی :- پیدائش ۱۹۰۷ء تھولینڈی رائے بریلی،
وفات ۲۴ اگست ۱۹۷۹ء بروز جمعہ تھولینڈی رائے بریلی۔

مولانا عبدالسلام قدوائی علمی و دینی حلقوں کی معروف شخصیت تھے۔ وہ ایک اچھے مصنف، معلم، اور محقق تھے ساتھ ہی اعلیٰ اخلاق کے مرنجان مرنج انسان تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاد شعبۂ اسلامیات کی حیثیت سے مقرر ہوئے تھے اور اسی حیثیت سے اپریل ۱۹۷۲ء میں سبکدوش ہوئے۔ مولانا کی زندگی علم و تحقیق علم کا ایک نادر نمونہ تھی۔ روزنامہ خلافت بمبئی سے بھی کچھ دنوں وابستہ رہے۔ ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیمات اور دارالمصنفین اعظم گڈھ کے شریک ناظم بھی رہے۔ ادارۂ تعلیمات اسلام آپ ہی کا قائم کردہ ہے، جہاں آپ قرآن کی تعلیم اور عربی زبان کی تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ''عربی زبان کے دس سبق'' عربی سکھانے والی آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں، جن میں ''مسلمان اور وقت کے تقاضے''، ''تعلیمات اسلام''، اور ''دنیا اسلام سے پہلے اسلام کے بعد'' شامل ہیں۔ مولانا کی رحلت سے علمی دنیا اپنے ایک جوہر قابل سے محروم ہو گئی۔

۱۵

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :- پیدائش ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء، اورنگ آباد مہاراشٹر
وفات، ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء بفیلو امریکہ۔

دورِ جدید کی سب سے زیادہ متنازعہ فیہ شخصیتوں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نام سرِفہرست رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں تو مولانا کے بدترین دشمن بھی شک نہیں کر سکتے کہ مولانا کی تحریروں نے ایک پوری نسل کو متاثر کیا ہے۔ وہ عبقری شخصیت تھے اور ان کے افکار و خیالات نے نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ تمام دنیائے اسلام میں ہلچل برپا کر رکھی ہے۔ جس وقت مولانا نے اخبار ''مدینہ'' بجنور سے اپنی صحافیانہ زندگی کا آغاز کیا اس وقت ان کی عمر ۱۵ برس کی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں روزنامہ ''تاج''، جبلپور کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۲۱ء میں دہلی آئے اور ''الجمعیۃ'' دہلی کی

ادارتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان نیز علوم اسلامی کا گہرا مطالعہ کیا ۔ اسی زمانہ میں بعمر ۲۴ سال ۱۹۲۷ء میں اسلام کے قانون صلح و جنگ پر معرکۃ الآرا کتاب "الجہاد فی الاسلام"، لکھی ۔ ۱۹۲۸ء میں ہی حیدر آباد چلے آئے ۔ جہاں تصنیف و تالیف کا شغل جاری رہا ۔ رسالۂ دینیات کے علاوہ اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی، پردہ اور" سود" وغیرہ ۱۵ اہم کتابیں لکھیں ۔ ۱۹۳۲ء میں اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ماہنامہ ترجمان القرآن نکالا ۔ جو وفات تک مولانا کی ادارت میں نکلتا رہا ۔ اگست ۱۹۴۱ء میں "جماعت اسلامی" کی بنیاد ڈالی ۔ جو مولانا کے افکار و خیالات کی عملی تصویر ہے ۔ مولانا وہ خوش قسمت رہنما تھے جنہوں نے اپنے لگائے ہوئے پودے [جماعت اسلامی] کو پھیلتے پھولتے اور ایک طاقت ور درخت بنتے دیکھ لیا ۔ اسی زمانہ میں "تجدید و احیائے دین"، "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش"، اور کچھ دوسری کتابیں شائع ہوئیں ۔ تفہیم القرآن کے نام سے مولانا قرآن شریف کی تفسیر کے کام کا آغاز ۱۹۴۲ء میں کیا ، جو چھ جلدوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ، تقسیم کے بعد مولانا پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں رہ کر نہ صرف یہ کہ جماعتی و تنظیمی کاموں کو اپنی نگرانی میں جاری رکھا بلکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا ۔ خلافت و ملوکیت ، اسلام اور جدید معاشی نظریات ، سرمایہ داری اور اشتراکیت ، وغیرہ ۱۴۰ سے زائد کتب اور ایک ہزار سے زائد خطبات و تقاریر کے علاوہ سیرت سرورِ عالم کے نام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر ایک جامع کتاب تحریر کی ۔ اخیر عمر میں صحت نے جواب دے دیا تھا ۔ بغرض علاج امریکہ تشریف لے گئے لیکن بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو امریکہ میں جان جان آفریں کے سپرد کردی ۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو جسد خاکی لاہور پاکستان میں سپرد خاک کردیا گیا ۔

مولانا مودودی ایک عظیم مفکر ، ایک عظیم قائد ، ایک عظیم دانشور و مصلح اور ایک فعال و سرگرم جماعت کے بانی مبانی ہونے کے علاوہ اردو کے ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے ۔ بامحاورہ اردو لکھتے اور زبان کی صحت و درستگی کا خاص خیال رکھتے تھے ۔ ان کی تحریروں میں سلاست و روانی شگفتگی و صفائی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے ۔ ان کی موت نے جہاں دنیائے اسلام کو ایک عظیم قائد سے محروم کردیا وہیں دنیائے اردو کو بھی زبردست صدمہ پہنچایا ہے ۔ اردو زبان پر مذہبی رہنماؤں کے زبردست احسانات ہیں اور مولانا غالباً ان مذہبی رہنماؤں کے سلسلے کی آخری کڑی تھے ، جنہوں نے اپنے افکار و خیالات کے لئے اردو کو ذریعۂ اظہار بنا کر اردو زبان کو عالم گیر اہمیت بخشی ہے ۔

[مولانا مودودی کی کتابوں کا انگریزی ، عربی ، ترکی کے علاوہ دنیا کے متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے ۔]

بال مکند عرش ملسیانی :- وفات ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء ، دہلی

بال مکند عرش ملسیانی جوش ملسیانی کے لائق فرزند اور خود بھی اردو کے

خوش فکر، خوش گو بزرگ شاعر تھے ۔ ان کی شعری و ادبی خدمات کافی طویل ہیں اور انہوں نے فن و شعر کی خدمت میں ساری زندگی لگا دی تھی ۔ بیس برس تک وہ اردو کے معروف ماہنامہ "آج کل" سے وابستہ رہے ۔ ان کی شاعری قدیم و جدید کی اچھی روایات کا حسین امتزاج ہے ۔ تازگی و اثر آفرینی، سلاست و روانی حسن معنی سے ان کا کلام دلنشینی کے وصف کا حامل ہو گیا ہے ۔ ہست و بود، فیضان غالب، شرار سنگ، امیر خسرو اور رباعیات سرمد کا کا ترجمہ اہم تصانیف ہیں ۔

دتووامن پوتدار

:۔ پیدائش ۵ اگست ۱۸۹۰ء، مہاڈ، مہاراشٹر،
وفات ۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء، پونا، مہاراشٹر،

مہامہو پادھیائے دتووامن پوتدار نامور مورخ اور محقق تھے ۔ وہ ایک غریب خاندان میں مہاراشٹر کے ایک چھوٹے سے دیہات میں پیدا ہوئے تھے ۔ لیکن اپنی محنت، ذہانت اور خداداد قابلیت کی بدولت ناموافق حالات میں بھی اس قدر صلاحیت حاصل کی کہ ۱۹۴۶ء میں حکومت نے انہیں مہامہو پادھیائے [استاد اعظم] کا خطاب عطا کیا ۔ ۱۹۶۷ء میں حکومت ہند نے انہیں پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا ۔ بنارس ہندو یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر کی ڈگری عطا کی ۔ ۱۹۴۸ء میں وہ آل انڈیا ہسٹری کانگریس کے صدر رہے ۔ ۱۹۴۹ء میں مہاراشٹر ساہتیہ سمیلن کی صدارت کی ۔ وہ نیشنل بک ٹرسٹ کے ممبر تھے اور تحریک آزادی لکھنے والی تاریخی کمیٹی کے رکن بھی تھے ۔ وہ تاریخ کے ماہر سمجھے جاتے تھے ۔ اور خصوصیت سے مہاراشٹر کی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی ۔ انہوں نے اپنے محققانہ کاموں سے تاریخ کے کئی تاریک گوشوں کو اجاگر کیا ۔ وہ ایک صاحب تصنیف بزرگ تھے اور مراٹھی زبان میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں ۔

جے پرکاش نرائن

:۔ پیدائش ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء، بہار،
وفات ۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء، پٹنہ بہار،

ہندوستان کی تحریک آزادی کا آخری نامور سپاہی، آزاد ہندوستان کا وہ آخری رہنما جو نہ صرف ہندوستان گیر بلکہ عالم گیر شہرت کا مالک تھا، چل بسا ۔ جے پرکاش نرائن اس دور کے واحد لیڈر تھے جن کی طرف ہندوستان کی نظریں رہتی تھیں ۔ ان کے افکار و خیالات سے اختلاف کرنے کے باوجود ان کی خلوص نیت پر کسی نے بھی شک نہیں کیا ۔ وہ ہمارے رہنماؤں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ لٹا کر قوم و وطن کی خدمت کی اور جب اس دنیا سے گزرے ہیں تو اپنے اہل خاندان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ۔

ایسی بے غرضانہ خدمات انجام دینے والے ہماری صفوں سے دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں ۔ جے پرکاش نرائن

ا تحریروں نے نئی نسل کے بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے۔ انہوں نے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لئے کئی کتابیں لکھیں، جن
ں سے چند مشہور تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

سوشلزم کیوں [۱۹۳۶ء] جدوجہد کی طرف [۱۹۴۶ء] لاہور کے قلعے میں [۱۹۷۰ء] ہندوستانی
ظام سیاست کی تعمیرِ جدید کے لئے استدلال [۱۹۵۹ء] سوشلزم سے سرودیہ کی طرف [۱۹۵۹ء] سوراج
لئے عوام [۱۹۶۱ء] میری جیل ڈائری [۱۹۷۵ء]

جے پرکاش نرائن کی وفات سے ہندوستان کی سیاسی وسماجی زندگی کا ایک دور ختم ہوتا ہے۔

پریم وار برٹنی

:- پیدائش، ۹ نومبر ۱۹۳۰ء: ڈنگا۔ پاکستان،
وفات، ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء، چنڈی گڑھ پنجاب،

پریم ناتھ خاندانی نام تھا، والد شری دیوان چند ککڑ ضلع گجرات پاکستان کے ایک دیہات ڈنگا
ے رہنے والے تھے، جہاں پریم وار برٹنی کا جنم ہوا۔ لاہور سے میٹرک کرنے کے بعد سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔
پہلی شعری تخلیق ۱۹۵۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی تب سے تادمِ وفات تخلیقِ شعر کا سلسلہ جاری رہا۔ چند
نوں تک مالیر کوٹلہ کے مولانا کمال الدین کمال سے اصلاح لی اور انہیں سے فنِ عروض کی تحصیل کی بعد ازاں خود ذوقِ سلیم
ی رہبری میں فکرِ شعر کرتے رہے۔ پریم وار برٹنی نظم گو شاعر تھے اور جدید لب ولہجہ میں اپنی مخصوص انفرادیت کے لئے مشہور
تھے۔ ویسے انہوں نے نظم کے علاوہ گیت، دوہے، غزل وغیرہ بھی لکھی ہیں۔ اردو مجموعۂ کلام "خوشبو کا خواب" شائع ہو چکا ہے۔

آوازۂ خلق

■ عبد اللطیف اعظمی، نئی دہلی۔

آپ نے اس شمارہ میں ماہنامہ جامعہ کے مولانا محمد علی نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے لئے میں آپ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔ آپ نے چند غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ میں میں کچھ وضاحت کروں گا، چنانچہ اسی وقت ڈاکٹر مشرف الدین ساحل کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ وہ ان اعتراضات کے بارے میں جو ان کے مضمون سے متعلق ہیں اپنی رائے مجھے بھیجدیں، تاکہ دہلی واپس آنے کے بعد آپ کو خط لکھتے وقت ان کی رائے کو بھی پیش نظر رکھوں مگر اب میرا خیال ہے کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ کا خیال ہو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو لکھ کر بھیجدوں گا۔

دہلی واپس آنے کے بعد مجھے ساحل صاحب کا مفصل خط مل گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے مل چکے ہیں اور صحیح صورت حال کی وضاحت کر چکے ہیں۔[1]

آپ نے اپنے تبصرہ میں ایک دو متضاد تاریخوں کو لکھ کر سوال کیا ہے کہ ان میں سے کون سی صحیح ہے۔ اس سلسلے میں مختصراً گذارش یہ ہے کہ جو تاریخ میں نے لکھی ہے اسے آپ صحیح مان لیں، کیونکہ میں نے بہت تحقیق کے بعد لکھی ہے۔ البتہ نظربندی سے رہائی کی تاریخ کے بارے میں کہ ۲۵ر دسمبر صحیح ہے یا ۲۸ دسمبر، مجھے ذرا تفصیل سے لکھنا ہے اسی طرح بڑودہ کی مدت ملازمت کے بارے میں بھی مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔

■ ضیاء فتح آبادی، دہلی،

ایجوکیشنل ٹائمز نے رئیس الاحرار محمد علی جوہر کی یاد کو تازہ کرکے ہندوستانی سیکولرازم کو مضبوط کرنے کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس مختصر نمبر میں جوہر کی زندگی اور وطنی خدمات کے کئی گوشے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس نیک اقدام کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

---

[1] ؟؟

■ شمیم شاکر، باوڑہ۔

ایجوکیشنل ٹائمز کی نومبری میں جوہر نمبر کا وجود میں آنا، اس پر اتنے سارے عظیم فن کاروں، ...وں کا یکجا ہونا، آپ اور آپ کے دوستوں کی انتھک کاوش کا آئینہ دار ہے۔

"بھولا بسرا ادب"، کا اضافہ اردو ادب کے ماضی کو یاد اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے ...ش ہے لہٰذا آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ "افسانۂ دل" اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا افسانہ ہے۔ سرورق کچھ توجہ طلب ہے۔

باوجود کوشش کہ چند خامیاں باقی رہ گئیں ہیں، جنہیں ذیل میں درج کر رہا ہوں امید کہ برا نہ ...ئے گا۔

(۱) صفحہ ۱۵ "۱۹۱۱ء میں انہوں نے بڑودہ کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔
صفحہ ۵۵، ۵۶ مولانا ۱۹۰۶ء میں ریاست بڑودہ میں ملازم ہوئے ۱۹۱۰ء میں استعفیٰ دیدیا۔

کون سی تاریخ صحیح ہے؟

...ے زبردست غلطی ہے کیونکہ وہی غلطی آپ کے جریدے میں واقع ہوئی ہے جسے آپ نے ماہنامہ ...کے جوہر نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔

(ii) صفحہ نمبر ۶۱: "مگر نثری ادب کے فن کاروں میں بہت کم ادیب و نثر نگار ہمارے حافظے جگہ پاسکے ہیں"

میرے خیال میں حافظے کے بعد "میں" چھوٹ گیا ہے، چونکہ یہ مدیر کی تحریر ہے لہٰذا یہ غیر معمولی غلطی کی جائے گی۔

(iii) صفحہ نمبر ۲۷ "نقوش زنداں" میں "تلک نے آزادی کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کے جس کام کا آغاز کیا تھا، محمد علی نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا"

اگر "کے" کے بعد "لئے" لگا دیا جائے تو جملہ ایک مکمل جملہ کہلائے گا لیکن مفہوم کے لحاظ سے "جس ...کا آغاز" کا استعمال جملہ کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے۔

(iv) صفحہ ۲۸ "۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کیا گیا ـــــــ ۲۹ اگست ۲۳ء کو رہائی ملی"

اس حساب سے دوسری اسیری کی کل مدت صرف ۱۱ ماہ ۱۵ دن ہوئے۔ جبکہ ... مدت ...۱ ماہ ۱۵ دن بتایا گیا ہے۔

...ص ۱۷: "اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی کو رہائی ملی"

کونسی تاریخ صحیح ہے۔

آوازۂ خلق

■ **عبد اللطیف اعظمی، نئی دہلی۔**

آپ نے اس شمارہ میں ماہنامہ جامعہ کے مولانا محمد علی نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے لئے میں آپ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔ آپ نے چند غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ میں میں کچھ وضاحت کروں گا، چنانچہ اسی وقت ڈاکٹر شرف الدین ساحل کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ وہ ان اعتراضات کے بارے میں جو ان کے مضمون سے متعلق ہیں اپنی رائے مجھے بھیج دیں، تاکہ دہلی واپس آنے کے بعد آپ کو خط لکھتے وقت ان کی رائے کو بھی پیش نظر رکھوں مگر اب میرا خیال ہے کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ کا خیال ہو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو لکھ کر بھیج دوں گا۔

دہلی واپس آنے کے بعد مجھے ساحل صاحب کا مفصل خط مل گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے مل چکے ہیں اور صحیح صورت حال کی وضاحت کر چکے ہیں[1]

آپ نے اپنے تبصرہ میں ایک دو متضاد تاریخوں کو لکھ کر سوال کیا ہے کہ ان میں سے کون سی صحیح ہے۔ اس سلسلے میں مختصراً گذارش یہ ہے کہ جو تاریخ میں نے لکھی ہے اسے آپ صحیح مان لیں، کیونکہ میں نے بہت تحقیق کے بعد لکھی ہے۔ البتہ نظربندی سے رہائی کی تاریخ کے بارے میں کہ ۲۵ دسمبر صحیح ہے یا ۲۸ دسمبر، مجھے ذرا تفصیل سے لکھنا ہے اسی طرح بڑودہ کی مدت ملازمت کے بارے میں بھی مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔

■ **ضیاء فتح آبادی، دہلی،**

ایجوکیشنل ٹائمز نے رئیس الاحرار محمد علی جوہر کی یاد کو تازہ کر کے ہندوستانی سیکولرازم کو مضبوط کرنے کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس مختصر نمبر میں جوہر کی زندگی اور وطنی خدمات کے کئی گوشے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس نیک اقدام کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

---

[1] ؟؟

■ شمیم شافی، باڑہ -

ایجوکیشنل ٹائمز کی نوعمری میں جوہر نمبر کا وجود میں آنا، اس پر اتنے سارے عظیم فن کاروں، کاروں کا یکجا ہونا، آپ اور آپ کے دوستوں کی انتھک کاوش کا آئینہ دار ہے -

"بولا لبرا ادب" کا اضافہ اردو ادب کے ماضی کو یاد اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کی کوشش ہے لہٰذا آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ "انا نزل" اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا افسانہ ہے۔

... سرورق کچھ توجہ طلب ہے -

باوجود کوشش کہ چند خامیاں باقی رہ گئیں ہیں، جنہیں ذیل میں درج کر رہا ہوں امید کہ برا نہ مانا جائے گا -

(۱) صفحہ ۱۵ "۱۹۱۱ء میں انہوں نے بڑودہ کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔"

صفحہ ۵۵،۵۶ مولانا ۱۹۰۶ء میں ریاست بڑودہ میں ملازم ہوئے ۱۹۱۰ء میں استعفیٰ دیدیا۔

کون سی تاریخ صحیح ہے؟

یہ ایک زبردست غلطی ہے کیونکہ وہی غلطی آپ کے جریدے میں واقع ہوئی ہے جسے آپ نے ماہنامہ جامعہ کے جوہر نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے -

(ii) صفحہ نمبر ۴۶، "مگر نثری ادب کے فن کاروں میں بہت کم ادیب و نثر نگار ہمارے حافظے جگہ پاسکے ہیں"

میرے خیال میں حافظے کے بعد "میں" چھوٹ گیا ہے، چونکہ یہ مدیر کی تحریر ہے لہٰذا یہ غیر معمولی غلطی تسلیم کی جائے گی -

(iii) صفحہ نمبر ۲۷ "نقوش زنداں" میں "تلک نے آزادی کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کے جس کام کا آغاز کیا تھا، محمد علی نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا"

اگر "کے" کے بعد "لئے" لگا دیا جائے تو جملہ ایک مکمل جملہ کہلائے گا لیکن مفہوم کے لحاظ سے "جس کام کا آغاز" کا استعمال جملہ کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے -

(iv) صفحہ ۲۸ "۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کیا گیا ——— ۲۹ اگست ۲۲ء کو رہائی ملی"

اس حساب سے دوسری اسیری کی کل مدت صرف ۱۱ ماہ ۱۵ دن ہوئے - جبکہ ... مدت ۱ سال ۱ ماہ ۱۵ دن بتایا گیا ہے -

(v) ص ۱۷ "اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی کو رہائی ملی"

کونسی تاریخ صحیح ہے -

آوازۂ خلق

■ عبداللطیف اعظمی، نئی دہلی۔

آپ نے اس شمارہ میں ماہنامہ جامعہ کے مولانا محمد علی نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے لئے میں آپ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔ آپ نے چند غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ میں میں کچھ وضاحت کروں گا، چنانچہ اسی وقت ڈاکٹر شرف الدین ساحل کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ وہ ان اعتراضات کے بارے میں جو ان کے مضمون سے متعلق ہیں اپنی رائے مجھے بھیج دیں، تاکہ دہلی واپس آنے کے بعد آپ کو خط لکھتے وقت ان کی رائے کو بھی پیش نظر رکھوں مگر اب میرا خیال ہے کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ کا خیال ہو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو لکھ کر بھیج دوں گا۔

دہلی واپس آنے کے بعد مجھے ساحل صاحب کا مفصل خط مل گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے مل چکے ہیں اور صحیح صورت حال کی وضاحت کر چکے ہیں[1]

آپ نے اپنے تبصرہ میں ایک دو متضاد تاریخوں کو لکھ کر سوال کیا ہے کہ ان میں سے کون سی صحیح ہے۔ اس سلسلے میں مختصراً گذارش یہ ہے کہ جو تاریخ میں نے لکھی ہے اسے آپ صحیح مان لیں، کیونکہ میں نے بہت تحقیق کے بعد لکھی ہے۔ البتہ نظر بندی سے رہائی کی تاریخ کے بارے میں کہ ۲۵ دسمبر صحیح ہے یا ۲۸ دسمبر، مجھے ذرا تفصیل سے لکھنا ہے اسی طرح بڑودہ کی مدت ملازمت کے بارے میں بھی مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔

■ ضیاء فتح آبادی، دہلی،

ایجوکیشنل ٹائمز نے رئیس الاحرار محمد علی جوہر کی یاد کو تازہ کر کے ہندوستانی سیکولرازم کو مضبوط کرنے کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس مختصر نمبر میں جوہر کی زندگی اور وطنی خدمات کے کئی گوشے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس نیک اقدام کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

---

[1] ؟؟

ایجوکیشنل ٹائمز کی نوعمری میں جوہر نمبر کا وجود میں آنا، اس پر اپنے سارے عظیم فن کاروں،
روں کا یکجا ہونا، آپ اور آپ کے دوستوں کی انتھک کاوش کا آئینہ دار ہے۔
"وہ بھولا بسرا ادب" کا اضافہ اردو ادب کے ماضی کو یاد اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے
ش ہے لہٰذا آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ "افانہ دل" اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا افسانہ ہے۔

بسرورق کچھ توجہ طلب ہے۔
باوجود کوشش کے چند خامیاں باقی رہ گئیں ہیں، جنہیں ذیل میں درج کر رہا ہوں امید کہ برا نہ
جائے گا۔

(۱) صفحہ ۱۵ " ۱۹۱۱ء میں انہوں نے بڑودہ کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔
صفحہ ۵۴، ۵۵ مولانا ۱۹۰۶ء میں ریاست بڑودہ میں ملازم ہوئے ۱۹۱۰ء میں استعفیٰ دیدیا۔

کون سی تاریخ صحیح ہے؟
یہ ایک زبردست غلطی ہے کیونکہ وہی غلطی آپ کے جریدے میں واقع ہوئی ہے جسے آپ نے ماہنامہ
جامعہ کے جوہر نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔

(۱۱) صفحہ نمبر ۱۶، " مگر نثری ادب کے فن کاروں میں بہت کم ادیب و نثر نگار ہمارے حافظ جگر
پاسکے ہیں"
میرے خیال میں حافظے کے بعد "میں" چھوٹ گیا ہے، چونکہ یہ مدیر کی تحریر ہے لہٰذا یہ غیر معمولی غلطی
تسلیم کی جائے گی۔

(۱۱۱) صفحہ نمبر ۲۷ "نقوش زنداں" میں "تلک نے آزادی کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کے جس کام
کا آغاز کیا تھا، محمد علی نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا"
اگر "کے" کے بعد "نے" لگا دیا جائے تو جملہ ایک مکمل جملہ کہلائے گا لیکن مفہوم کے لحاظ سے "جس
کام کا آغاز" کا استعمال جملہ کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے۔

(۱۷) صفحہ ۲۸ " ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کیا گیا ______ ۲۹ اگست ۱۹۲۳ء کو رہائی ملی"
اس حساب سے دوسری اسیری کی کل مدت صرف ۱۱ ماہ ۱۵ دن ہوئے۔ جبکہ ... مدت
۱ سال ۱۱ ماہ ۱۵ دن بتایا گیا ہے۔

(۷) صفحہ ۱۷ " اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی کو رہائی ملی"
کونسی تاریخ صحیح ہے۔

آوازۂ خلق

■ عبد اللطیف اعظمی، نئی دہلی۔

آپ نے اس شمارہ میں ماہنامہ جامعہ کے مولانا محمد علی نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کے لئے میں آپ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔ آپ نے چند غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس سلسلے میں میں کچھ وضاحت کروں گا، چنانچہ اسی وقت ڈاکٹر شرف الدین ساحل کو ایک کارڈ لکھ دیا کہ وہ ان اعتراضات کے بارے میں جو ان کے مضمون سے متعلق ہیں اپنی رائے مجھے بھیج دیں تاکہ دہلی واپس آنے کے بعد آپ کو خط لکھتے وقت ان کی رائے کو بھی پیش نظر رکھوں مگر اب میرا خیال ہے کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ کا خیال ہو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو لکھ کر بھیج دوں گا۔

دہلی واپس آنے کے بعد مجھے ساحل صاحب کا مفصل خط مل گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس سلسلے میں آپ سے مل چکے ہیں اور صحیح صورت حال کی وضاحت کر چکے ہیں۔[۱]

آپ نے اپنے تبصرہ میں ایک دو متضاد تاریخوں کو لکھ کر سوال کیا ہے کہ ان میں سے کون سی صحیح ہے۔ اس سلسلے میں مختصراً گذارش یہ ہے کہ جو تاریخ میں نے لکھی ہے اسے آپ صحیح مان لیں، کیونکہ میں نے بہت تحقیق کے بعد لکھی ہے۔ البتہ نظربندی سے رہائی کی تاریخ کے بارے میں کہ ۲۵ دسمبر صحیح ہے یا ۲۸ دسمبر، مجھے ذرا تفصیل سے لکھنا ہے اسی طرح بڑودہ کی مدت ملازمت کے بارے میں بھی مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے۔

■ ضیاء فتح آبادی، دہلی،

ایجوکیشنل ٹائمز نے رئیس الاحرار محمد علی جوہر کی یاد کو تازہ کر کے ہندوستانی سیکولرازم کو مضبوط کرنے کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس مختصر نمبر میں جوہر کی زندگی اور وطنی خدمات کے کئی گوشے ابھر کر سامنے آگئے ہیں۔ اس نیک اقدام کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

---

۱ ؟؟

ایجوکیشنل ٹائمز کی نوعمری میں جوہر نمبر کا وجود میں آنا، اس پر اتنے سارے عظیم فن کاروں، ہم کاروں کا یکجا ہونا، آپ اور آپ کے دوستوں کی انتھک کاوش کا آئینہ دار ہے۔

"بھولا بسرا ادب" کا اضافہ اردو ادب کے ماضی کو یاد اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کی کوشش ہے لہٰذا آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ "افسانہ دل" اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا افسانہ ہے۔

.....بسرورق کچھ توجہ طلب ہے۔

باوجود کوشش کے چند خامیاں باقی رہ گئیں ہیں، جنہیں ذیل میں درج کر رہا ہوں امید کہ برا نہ مانا جائے گا۔

(i) صفحہ ۱۵ "۱۹۱۱ء میں انہوں نے بڑودہ کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔

صفحہ ۵۴، ۵۵ مولانا ۱۹۰۲ء میں ریاست بڑودہ میں ملازم ہوئے ۱۹۱۰ء میں استعفیٰ دیدیا۔

کون سی تاریخ صحیح ہے؟

یہ ایک زبردست غلطی ہے کیونکہ وہی غلطی آپ کے جریدے میں واقع ہوئی ہے جسے آپ نے ماہنامہ جامعہ کے جوہر نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔

(ii) صفحہ نمبر ۴۶، "مگر نثری ادب کے فن کاروں میں بہت کم ادیب و نثر نگار ہمارے حافظے جگہ پاسکے ہیں"

میرے خیال میں حافظے کے بعد "میں" چھوٹ گیا ہے، چونکہ یہ مدیر کی تحریر ہے لہٰذا یہ غیر معمولی غلطی تسلیم کی جائے گی۔

(iii) صفحہ نمبر ۲۷ "نقوش زنداں" میں "تلک نے آزادی کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کے جس کام کا آغاز کیا تھا، محمد علی نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا"

اگر "کے" کے بعد لئے لگا دیا جائے تو جملہ ایک مکمل جملہ کہلائے گا لیکن مفہوم کے لحاظ سے "جس کام کا آغاز" کا استعمال جملہ کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے۔

(iv) صفحہ ۲۸ "۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کیا گیا ——— ۲۹ اگست ۲۳ء کو رہائی ملی"

اس حساب سے دوسری اسیری کی کل مدت صرف ۱۱ ماہ ۱۵ دن ہوئے۔ جبکہ [illegible] مدت ۱ سال ۱۱ ماہ ۱۵ دن بتایا گیا ہے۔

(v) ص ۱۷۱ "اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی کو رہائی ملی"

کونسی تاریخ صحیح ہے۔

ص۲۹ ، یہی کتاب بعد میں ... کے عنوان سے شائع ہوئی۔

عنوان کا غائب ہونا چہ معنی دارد ؟

اب یہ کتابت کی غلطی ہو یا مضمون نگار کی اسے آپ کہیں ۔

▪ حکیم مولوی محمد حسین خان شفاؔ ، رام پور ،

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ، ایک دوست کے توسط سے آپ کا محمد علی نمبر نظر نواز ہوا ۔ دل باغ باغ ہو گیا ۔ آپ نے مختصر سے صفحات پر مولانا محمد علی پر قدیم شہپاروں کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں کی تازہ تخلیقات کا کافی اچھا انتخاب پیش کیا ہے ۔ اپنی اس کامیاب کوشش پر مولانا محمد علی کے اہل وطن کی جانب سے مبارکباد قبول کیجئے ۔ اس شمارہ میں آپ کا جامعہ پر تبصرہ کافی اہم علمی کاوش ہے ، اس میں آپ نے انتہائی خلوص نیت کے ساتھ حق تنقید ادا کیا ہے ۔ دیگر مضامین بھی خوب ہیں ، مگر صفحات کی کمی کی وجہ سے تشنہ رہ گئے ہیں ۔ محترمہ زہرہ جبین صاحبہ اگر " کالاں رام پور " اور تاریخ امروہہ " دیکھ لیتیں تو بی اماں والدہ محمد علی کا حق ادا ہو جاتا ۔ یہ مضمون بہت سرسری سا ہو کر رہ گیا ہے ۔

▪ مولوی عبدالقدوس ناطقؔ ، نیر یہ سوہنت ،

ایجوکیشنل ٹائمز کے اصرار پر مبارکباد پیش کر رہا ہوں ، قبول فرمائیے ۔ ۔ ۔ ۔ محمد علی جوہر نمبر بھی خوب سے خوب تر نکلا ہے ۔ سبحان اللہ آپ نے بھی جس کا نام نامی محمد اور علی کا مجموعہ یعنی محمد علی ہو اس کی تعریف کیونکر کی جائے ۔ جس کی ابتدا یہ ہو اور انتہا بیت المقدس میں مسجد عمر رضؓ کا سینہ شق ہوا اور اس میں محمد علی سما گیا ہو ، اس کی مرتبت کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں ؂ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے ۔ بہرکیف مولانا توحید باری تعالیٰ کے علمبردار اور پرستار تھے اسی پر جیئے اور اسی پر مرے ۔ اور اسی پر انشاء اللہ اٹھیں گے ۔ ان کا رتبہ بہت بلند اور اعلیٰ ہے ۔ خدا ان کی تربت کو نور سے بھر دے ۔

آپ کے مضمون " نقوش زنداں " مندرجہ صفحہ ۲۷ ، ۲۸ کے سطر ۶ پر لکھا ہے کہ محمد علی نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلمانوں پر انگریز فوج کی ملازمت حرام ہے ۔

اس پر گذارش ہے کہ مولانا محمد علی مفتی نہیں تھے اور نہ انہوں نے فتویٰ دیا تھا ۔ بلکہ ۵۰۰ علمائے کرام کے دستخط سے جو فتویٰ صادر ہوا تھا اس کی اشاعت کی تھی ۔ اور مسلمان فوجیوں تک پہنچا دیا تھا جس کی پاداش میں کراچی میں مقدمہ چلا تھا ۔ اس کو درست کر لیجئے ۔

▪ طرفہ قریشی ۔ ناگپور ،

ایجوکیشنل ٹائمز کا جوہر نمبر بدست عزیزی تابش حلیمی ملا ، شکریہ ۔ تقریباً تمام مضامین اخذ و اقتباس پر مبنی نظر آئے ، تاہم عزیزی خضر حیات ، یوسف رازؔ ، ڈاکٹر غازی امان اور عزیزہ زہرہ جبین کی سعی و کاوش مبارکباد کی مستحق ہے ۔

کے جوہر نمبر پر تبصرہ پسند آیا۔

■ خورشید علی نظمی، بھلائی،

جوہر نمبر ملا، بے پناہ مسرت حاصل ہوئی۔ خضر حیات صاحب کا مضمون خوب ہے۔ نشاط الرحمٰن صاحب کی غزل بھی خوب رہی۔ یوسف راز صاحب اور محترمہ زہرہ جبین صاحبہ کے مقالے پسند آئے۔

■ عروج زیدی۔ رام پور۔

آپ کی عنایت بے نہایت سے سہ ماہی ایجوکیشنل ٹائمز کا مولانا محمد علی جوہر نمبر باصرہ نواز ہوا۔ یاد فرمائی اور ت افزائی کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ انجمن ادب ہند ناگپور کا یہ کارنامہ کچھ کم قابل قدر نہ تھا کہ ایجوکیشنل ٹائمز کے پردے ں ہی سہی شعر و ادب کے سلسلے میں تعمیری کام انجام پا رہا ہے، سونے پر سہاگہ یہ کہ

"بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"

پ نے اقتصادی بدحالی کے زمانہ میں جوہر نمبر سپرد اشاعت کر دیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، کسی خاص موضوع پر رسالہ کے لئے اچھے مضامین کا حصول بڑا صبر آزما ہوتا ہے اس کے لئے استقامت و دیدہ ریزی کی ضرورت ہے الحمد اللہ کہ آپ اپنی مساعی میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ راقم الحروف کی طرف سے ہدیۂ مبارکباد۔

■ ڈاکٹر عصمت جاوید، اورنگ آباد،

اگرچہ ایجوکیشنل ٹائمز کا سائز چھوٹا ہے، لیکن مواد کے اعتبار سے بھاری بھر کم ہے بقول سعدی ؎

ہر کہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

نقوش زنداں اور بی اماں نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ بھولا بسرا ادب کا مستقل عنوان خوشگوار اضافہ ہے۔

■ عبد المتین نیاز۔ بھوپال،

مولانا محمد علی جوہر نمبر ایجوکیشنل ٹائمز پہلی نظر آیا۔ اس یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ تقریباً آٹھ دس سال سے ناگپور آرہا ہوں مگر حیرت ہے کہ کسی نے اس سہ ماہی کے بارے میں تذکرہ کیا نہ ہی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ——— کوئی ظاہر داری نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ کا مضمون "نقوش زنداں" مولانا محمد علی جوہر کی ذات گرامی پر ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مجھے بہت پسند آیا، اس کے ساتھ ہی راز صاحب کا مضمون "قطرے سے گہر ہونے تک" نے بھی متاثر کیا۔ بقیہ حضرات نے اچھے تجربات کئے ہیں جو قابل تعریف ہیں۔

■ ڈاکٹر غازی امان۔ ناگپور،

۶۵ صفحات پر مشتمل محمد علی جوہر نمبر دستیاب ہوا۔ مضامین اچھے ہیں خصوصیت سے ادارے نے جن کتابوں کا حوالہ دیکر ان کی غلطیاں نکالی اور تبصرے کے ساتھ ساتھ جن باتوں کی نشاندہی کی ہے، قابل مبارکباد ہے کتابت اور چھپائی کو اور خوبصورت بنایا جائے تو بہتر ہوگا۔

ص۲۹، ۲۳یہی کتاب بعد میں   کے عنوان سے شائع ہوئی۔

عنوان کا غائب ہونا چہ معنی دارد؟

اب یہ کتابت کی غلطی ہو یا مضمون نگار کی اسے آپ کہیں۔

■ حکیم مولوی محمد حسین خان شفاؔ، رام پور،

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، ایک دوست کے توسط سے آپ کا محمد علی نمبر نظر نواز ہوا۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ نے مختصر سے صفحات پر مولانا محمد علی پر قدیم شہپاروں کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں کی تازہ تخلیقات کا کافی اچھا انتخاب پیش کیا ہے۔ اپنی اس کامیاب کوشش پر مولانا محمد علی کے اہلِ وطن کی جانب سے مبارکباد قبول کیجئے۔ اس شمارہ میں آپ کا جامعہ پر تبصرہ کافی اہم علمی کاوش ہے، اس میں آپ نے انتہائی خلوص نیت کے ساتھ حق تنقید ادا کیا ہے۔ دیگر مضامین بھی خوب ہیں، مگر صفحات کی کمی کی وجہ سے تشنہ رہ گئے ہیں۔ محترمہ زہرہ جبین صاحبہ اگر "حالات رام پور" اور "تاریخ امروہہ" دیکھ لیتیں تو بی اماں والدہ محمد علی کا حق ادا ہوجاتا۔ یہ مضمون بہت سرسری سا ہو کر رہ گیا ہے۔

■ مولوی عبدالقدوس ناطق، نیر پہ سو پنت،

ایجوکیشنل ٹائمز کے اجراء پر مبارکباد پیش کر رہا ہوں، قبول فرمائیے۔ ۔ ۔ ۔ محمد علی جوہر نمبر بھی خوب سے خوب تر نکلا ہے۔ سبحان اللہ آپ نے بھی جس کا نام نامی محمد اور علی کا مجموعہ یعنی محمد علی ہو، اس کی تعریف کیونکر کی جائے۔ جس کی ابتدا یہ ہو، اور انتہا بیت المقدس میں مسجد عمرؓ کا سینہ شق ہوا، اور اس میں محمد علی سما گیا ہو، اس کی مرتبت کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں ؎ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے۔ بہرکیف مولانا توحید باری تعالیٰ کے علمبردار اور پرستار تھے اسی پر جیئے اور اسی پر مرے۔ اور اسی پر انشاءاللہ اٹھیں گے۔ ان کا رتبہ بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ خدا ان کی تربت کو نور سے بھر دے۔

آپ کے مضمون "نقوش زنداں" مندرجہ صفحہ ۲۷، ۲۸ کے سطر ۲ پر لکھا ہے کہ محمد علی نے فتویٰ دیا تھا کہ مسلمانوں پر انگریز فوج کی ملازمت حرام ہے۔

اس پر گذارش ہے کہ مولانا محمد علی مفتی نہیں تھے اور نہ انہوں نے فتویٰ دیا تھا۔ بلکہ ۵۰۰ علمائے کرام کے دستخط سے جو فتویٰ صادر ہوا تھا اس کی اشاعت کی تھی۔ اور مسلمان فوجیوں تک پہنچا دیا تھا جس کی پاداش میں کراچی میں مقدمہ چلا تھا۔ اس کو درست کرلیجئے۔

■ طوفہ قریشی۔ ناگپور،

ایجوکیشنل ٹائمز کا جوہر نمبر بدست عزیزی تابش علیمی ملا، شکریہ۔ تقریباً تمام مضامین اخذ و اقتباس پر مبنی نظر آئے، تاہم عزیزی خضر حیات، یوسف رازؔ، ڈاکٹر غازی امان اور عزیزہ زہرہ جبین کی سعی و کاوش مبارکباد کی مستحق ہے۔

مدر کے جوہر نمبر پر تبصرہ پسند آیا۔

■ خورشید علی نقلی، بھلائی،

جوہر نمبر ملا، بے پناہ مسرت حاصل ہوئی۔ خضر حیات صاحب کا مضمون خوب ہے۔ نثار الرحمٰن صاحب کی غزل بھی بہت خوب رہی۔ یوسف راز صاحب اور محترمہ زہرہ جبیں صاحبہ کے مقالے پسند آئے۔

■ عروج زیدی۔ رام پور۔

آپ کی عنایت بے نہایت سے سہ ماہی ایجوکیشنل ٹائمز کا مولانا محمد علی جوہر نمبر باصرہ نواز ہوا۔ یاد فرمائی اور عزت افزائی کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ انجمن ادب ہند ناگپور کا یہ کارنامہ کچھ کم قابل قدر نہ تھا کہ ایجوکیشنل ٹائمز کے پردے میں ہی سہی) شعر و ادب کے سلسلے میں تعمیری کام انجام پا رہا ہے، سونے پر سہاگہ یہ کہ

"بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"

آپ نے اقتصادی بدحالی کے زمانہ میں جوہر نمبر سپرد اشاعت کر دیا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ،

کسی خاص موضوع پر رسالہ کے لئے اچھے مضامین کا حصول بڑا صبر آزما ہوتا ہے اس کے لئے استقامت و دیدہ ریزی کی ضرورت ہے الحمد اللہ کہ آپ اپنی مساعی میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ راقم الحروف کی طرف سے ہدیۂ مبارکباد۔

■ ڈاکٹر عصمت جاوید، اورنگ آباد،

اگرچہ ایجوکیشنل ٹائمز کا سائز چھوٹا ہے لیکن مواد کے اعتبار سے بھاری بھر کم ہے بقول سعدی ؒ

ہر کہ بقامت کہتر بقیمت بہتر

نقوش زنداں اور بی اماں نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ بھولا بسرا ادب کا مستقل عنوان خوشگوار اضافہ ہے۔

■ عبد المتین نیاز۔ بھوپال،

مولانا محمد علی جوہر نمبر ایجوکیشنل ٹائمز پہلی نظر آیا۔ اس یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ تقریباً آٹھ دس سال سے ناگپور آ رہا ہوں مگر حیرت ہے کہ کسی نے اس سہ ماہی کے بارے میں تذکرہ کیا نہ ہی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ـــــ کوئی ظاہرداری نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ کا مضمون "نقوش زنداں" مولانا محمد علی جوہر کی ذات گرامی پر ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مجھے بہت پسند آیا، اس کے ساتھ ہی راز صاحب کا مضمون "قطرے سے گہر ہونے تک" نے بھی متاثر کیا۔ بقیہ حضرات نے اچھے تجربات کئے ہیں جو قابل تعریف ہیں۔

■ ڈاکٹر غازی امان۔ ناگپور،

۶۰ صفحات پر مشتمل محمد علی جوہر نمبر دستیاب ہوا۔ مضامین اچھے ہیں خصوصیت سے ادارے نے جن کتابوں کا حوالہ دیکر ان کی غلطیاں نکالی اور تبصرے کے ساتھ ساتھ جن باتوں کی نشاندہی کی ہے، قابل مبارکباد ہے کتابت اور چھپائی کو اور خوبصورت بنایا جائے تو بہتر ہوگا۔

-■-

علامہ اقبال ایجوکیشنل کامپلکس ہبلی

[اشتہار]

آج سے تقریباً دو سو سال قبل جب انگریز مغربی علوم اور نظریات سے لیس ہو کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو مسلمان قدیم خانقاہی طرز تعلیم کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ ملت مسلمہ کو اس حملہ سے بچانے کیلئے اور اغیار کے سامنے سر بلند رکھنے کیلئے سر سید احمد خاں نے قدیم و جدید علوم کی آمیزش سے علیگڑھ تعلیمی تحریک کا آغاز کیا۔ آج جدید تعلیم کا پھیلاؤ سر سید کی اسی علیگڈھ تحریک کا نتیجہ ہے ورنہ آج بھی مسلمان اسی قدیم طرز تعلیم کو اپنائے ہوئے ہوتے۔

آج پھر ہندوستانی مسلمان انہیں مسائل سے دوچار ہیں جو آج سے دو سو سال پہلے تھے۔ اب پھر ایک تعلیمی تحریک کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلمان تعلیمی میدان میں تین رخوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ خالص مذہبی تعلیم، سرکاری تعلیم [جو سراسر لادینی ہے] اور عیسائی مشنری تعلیم۔

آج ہم اپنے بچوں کو انہیں تین قسم کے مدارس میں سے کسی ایک میں بھیجتے ہیں اور یہ تینوں طرز تعلیم ہماری نسل کیلئے نقصاندہ اور دین و ملت کیلئے تباہ کن ہیں، ہم اپنے بچوں سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کو ایسے خطرناک ہاتھوں میں دیدیتے ہیں جو ہمارے بچوں کو تہذیب و اخلاق عقل و حکمت اور دین و ملت سے بہت دور لے جاتے ہیں گویا ہم خود اپنے بچوں کو بخوشی دین و دنیا کے لٹیروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر ریلوے مسلم ایمپلائز ایجوکیشنل اسوسی ایشن نے تعلیم کا ایک پروگرام ترتیب دیا ہے جس کے تحت ہمارے بچے جدید تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کر سکیں گے اور ساتھ ساتھ کسی فن میں مہارت بھی حاصل کر سکیں گے۔ جب آپ کا بچہ ہمارے مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلے گا تو وہ جدید تعلیم سے واقفیت بھی رکھتا ہوگا۔ اپنی روزی کیلئے نوکری کے انتظار میں بیٹھا نہ رہیگا۔ بلکہ خود کفیل ہوگا۔ آپ کے بچے ملک و ملت کی امانت ہیں، دین و ملت کے وارث ہیں وہ خطرے میں ہیں انہیں خطروں سے بچا لیجئے۔ اگر آپکو اپنے بچوں سے واقعی محبت ہے تو اس کی دنیا اور آخرت سنوارنے اور کامیاب بنانے کیلئے ہماری اس تعلیمی تحریک میں شامل ہو جائیے اسکو پھیلائیے اسکو مضبوط بنائیے۔ کیونکہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے دینی اور ملی فریضہ بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری اسوسی ایشن نے پانچ لاکھ کی لاگت کی ایک ایجوکیشنل کامپلکس کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا ہے جو آپ کی مدد کا منتظر ہے۔

ڈی۔ این مومن [ریٹائرڈ ڈپٹی ٹریفک] [صدر]　　ایم۔ بی شیخ [illegible] جنرل سکریٹری

۱۲۴ جاوری گلی [illegible] ہبلی [illegible]

[illegible]

کی ممتاز دانشور ہیں۔ زبان کا حسن جذبات کی صداقت اور علم و دانش کی روشنی انکی شاعری کی خصوصیت ہے۔ ان کا کلام عام اسلئے نہ ہوسکا کہ انہوں نے گوشہ نشین رہکر شاعری کی۔ گمنامی کے بادل اس آفتاب کی روشنی کو زیادہ دن نہ روک سکیں گے۔ اشعار کرنوں کی طرح دلوں کی زمین پر اتریں گے اور روح کو منور کردیں گے۔ زرینہ ثانی کے قلم نے پہلی بار ان رجحانات کو اٹھایا ہے۔

انجمن عصری ادب کامٹی

علم و ادب کے باب میں کامٹی کا اپنا ایک مقام ہے ہر عہد میں یہاں کے نوجوان فنکاروں نے اہل ملک کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ کامٹی کے پہلے صاحب دیوان منشی سعید صاحب سے لیکر موجودہ عہد کے عبدالرحیم نشتر تک تخلیقی سطح پر کئی شہرت یافتہ نام کندہ ہیں۔ اپنی ادبی روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے ادبی سوجھ بوجھ اور تخلیقی صلاحیت رکھنے والی جو پود سامنے آئی ہے انہیں آگے بڑھنے اور بہتر لکھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ انجمن کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

[illegible] • مختلف اخبارات و رسائل میں نئے لکھنے والوں کی تخلیقات کی اشاعت [illegible] تخلیقات کا دیگر زبانوں میں ترجمہ • دیگر زبانوں کی تخلیقات کا اردو میں ترجمہ [illegible]

THE EDUCATIONAL TIMES
NAGPUR
URDU QUARTERLY PAPER

Regd No.
RN. 31864/76

IV YEAR OF PUBLICATION - VOL. 4 - Issue 15.

قادر نیازی، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے انجمن ادبِ ہند کیلئے منوہر پرنٹنگ پریس

ناگپور میں چھپوا کر انجمن ادبِ ہند گانجہ کھیت ناگپور سے شائع کیا۔

• ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ •

ایجوکیشنل ٹائمز گانجہ کھیت ناگپور ۱۸